دیوانِ رُباعیاتِ انیسؔ

تحقیق، تدوین اور تشریح

سید تقی عابدی

کلیاتِ انیسؔ - ۱

دیوانِ

رُباعیاتِ انیسؔ

تحقیق، تدوین اور تشریح

از

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

فہرست

حمدیہ رباعیات

نعتیہ رباعیات

منقبتی رباعیات

اخلاقی رباعیات

ذاتی رباعیات

سماجی رباعیات

اعتقادی رباعیات

رثائی رباعیات

رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (امریکہ) ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : (40) شہید (1982) جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاؔء، رموزِ شاعری، اظہارِ حق، مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلامِ دبیرؔ، تجزیہ یادگار انیسؔ، ابواب المصائب، ذکر دُرباران، عروسِ سخن، مصحف فارسی دبیرؔ، مثنویات دبیرؔ، کائنات نجمؔ، روپ کنور کماری، دُربار رسالتؐ، فکر مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُرِ دریائے نجف، تاثیر ماتم، نجمی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، ھوالنجم، تعشق لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوان نعت ومنقبت، چوں مرگ آید، رباعیات دبیرؔ، سبد سخن، دیوان غالبؔ فارسی، فیضؔ فہمی، مطالعۂ دبیر کی روایت، دیوانِ سلام وکلام انیسؔ

زیرِ تالیف : تجزیۂ شکوہ جواب شکوہ، فانیؔ لا فانیؔ، تجزیہ رباعیات، فراق گورکھپوری، دو شاہکار نظمیں، اقبالؔ کے چار مصرعے، رباعیات بیدلؔ، باقیاتِ فیضؔ۔

انتساب

انیسیات کے نیّرِ تاباں

پروفیسر سید نیّر مسعود رضوی

کے نام

شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سکھایا اُس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا

(اقبالؔ)

حیات، فن اور شخصیتِ میر انیسؔ

تعارف اور خاندان:

اُردو شعر و ادب کے بعض تذکروں میں خدائے سخن کا عنوان دو عظیم شاعروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ میر تقی میرؔ اور میر انیسؔ۔ میر تقی میرؔ نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے غزل کو منتخب کیا اور میر انیسؔ نے مرثیہ کا انتخاب کیا۔ جرمن کے مشہور شاعر گوئٹے نے کہا تھا: ''ادب میں کوئی صنف اس وقت تک عظیم نہیں بن سکتی جب تک کہ اُس کا موضوع عظیم نہ ہو۔'' میر انیسؔ نے جس صنفِ شاعری مرثیہ کا انتخاب کیا اُس کا موضوع عظیم ترین موضوع یعنی شہادت امام حسینؑ تھا۔

فردوسیؔ کہتا ہے:

منم ساختم رستمِ داستاں وگرنہ یلے بود در سیستان

یعنی شاہنامہ میں، میں نے اپنے موئے قلم سے رستم کو رستم بنایا ورنہ وہ تو سیستان کے علاقہ کا ایک نیم وحشی شخص تھا۔ اس کے برخلاف میر انیسؔ کو جن برگزیدہ ہستیوں کے واقعات، جذبات نفسیات اور ان کی سیرت نگاری، کردار نگاری، رزم بزم اور

سراپا کی مرقع کشی کرنی پڑی وہ داستان سازی نہ تھی بلکہ بڑی مشکل اور دشوار راہ تھی۔ میر انیسؔ نے اپنی عاجز بیانی اور مجبوری کا اظہار یوں کیا ہے:

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہ شاہاں حسانؔ و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائلؔ و سحباںؔ قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نور خدا کی
لکنت یہاں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

میر انیسؔ کا خاندان شاعری مدحت محمدؐ و آل محمدؐ سے سرشار تھا۔ چنانچہ فخریہ انداز میں فرماتے ہیں:

عمر گزری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

میر انیسؔ کے پوتے دولہا صاحب عروجؔ فرماتے ہیں۔

سیر اک جام سے میں ہوں یہ مرا طور نہیں
سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں

میر انیسؔ خاندانی شاعر تھے۔ خاندان میر انیسؔ کے سوا دنیا میں کوئی دوسرا ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس میں پے در پے، نسل در نسل آٹھ ممتاز و معروف شاعر پیدا ہوئے ہوں۔ اس خاندان نے تقریباً تین صدیوں میں پہلے فارسی اور پھر اُردو زبان کی ایسی خدمت کی کہ اس خاندان کی زبان مستند، لب و لہجہ معتبر اور اس کا مقام شعر و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ اسی لئے مشہور شاعر شیخ ناسخؔ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے۔ ''بھئی زبان سیکھنی ہو تو میر خلیقؔ کے ہاں جایا کرو۔'' میر انیسؔ

بعض اوقات مرثیہ پڑھتے ہوئے فرماتے۔ ''صاحبو! یہ میرے خاندان کا لب ولہجہ ہے اہلِ لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔'' ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ع: حقا کہ یہ خلیقؔ کی ہے سر بسر زباں

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے

اجداد باوقار سے میراث پائی ہے

میر انیسؔ کے جدّ اعلیٰ میر امامی موسوی ہروی حضرت امام موسیٰ رضاؑ کی نسل سے تھے۔ وہ ہرات کے شرفا میں بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ جہاں کے عہد سلطنت میں ایران سے آئے اور اپنے علم وفضل کی بدولت سہ ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ میر امامی موسوی جید عالم تھے، فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ وہ طبیعت کی موزونی سے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی مثنوی ''باغِ مراد'' مشہور ہے لیکن ان کا تقریباً سارا کلام ضائع ہوگیا۔ میر امامی کے فرزند میر عزیز اللہ اور پوتے میر ہدایت اللہ کی شاعری کے بارے میں تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں۔ میر ہدایت اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحکؔ فارسی اور اردو کے مشہور اور معروف شاعر گزرے ہیں۔ دہلی کے مستقل قیام سے اس خاندان کی زبان دو نسلوں بعد دہلی کی فصیح اور شستہ اردو ہوگئی۔ میر ضاحکؔ، میر تقی میرؔ اور مرزا سوداؔ کے ہم عصر صاحب دیوان شاعر اور مزاح نگار تھے۔ میر ضاحکؔ اور مرزا سوداؔ کی باہمی چشمک کا ذکر تقریباً ہر تذکرے میں موجود ہے۔ میر ضاحکؔ کی تاریخ پیدائش اور وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا، مگر ڈاکٹر وحید قریشی کی جدید تحقیقات کی روشنی میں ضاحکؔ کی پیدائش کا سال ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ معلوم ہوتا

ہے۔ قاضی عبدالودود نے علی گڑھ میگزین طنز وظرافت شمارہ ۱۹۵۳ء میں ضاحکؔ کا انتقال ۱۱۹۶ اور ۱۱۹۸ھ کے درمیان بتایا ہے۔ میر ضاحکؔ کے دیوان کے قلمی نسخہ پر ۱۱۹۹ ہجری تاریخ ثبت ہے۔ اس دیوان میں ہزلیں غزلیں، رباعیات، سلام، نوحے اور مرثیے شامل ہیں۔

میر ضاحکؔ کے بیٹے اور میر انیسؔ کے دادا میر غلام حسنؔ دہلوی نے شعر و ادب میں باپ سے زیادہ نام پیدا کیا۔ میر حسنؔ کی پیدائش ۱۱۵۴ ہجری میں ہوئی ان کا سال وفات مصحفیؔ کے کہے ہوئے مصرع ''شاعر شریں بیاں تاریخ یافت'' کے ٹکڑے ''شاعر شریں بیاں'' سے ۱۲۰۱ ہجری نکلتا ہے۔ میر حسنؔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ لیکن بقول نقش علی مولف تذکرۂ 'باغی معانی'' ۱۱۷۴ھ میں والد کے ہمراہ فیض آباد آ چکے تھے اور صاحب تذکرہ ان سے آشنا بھی تھے۔ علوم شاعری اور قواعد کو پہلے اپنے والد میر ضاحکؔ اور پھر میر ضیا سے سیکھے۔ شاعری میں میرؔ اور سوداؔ کی پیروی کی۔ میر حسن کی مثنویات میں سحر البیان، گلزار ارم، رموز العارفین، حویلی قصر جواہر، شادی اور تہنیت عید شامل ہیں۔ اُردو میں سیکڑوں مثنویاں کہی گئیں لیکن میر حسنؔ کی سحر البیان کا جواب نہ ہوسکا۔

میر حسنؔ کے کلیات میں غزلیں قصیدے، سلام، مرثیے اور رباعیات نظر آتی ہیں۔ ۱۱۸۸ ہجری میں میر حسنؔ نے ''تذکرۂ شعرائے ہندی'' فارسی زبان میں لکھا جس میں ۳۰۷ اُردو شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام موجود ہے اور اس میں ۱۱۹۱ ہجری تک اضافہ کرتے رہے۔ یہ تذکرہ تاریخی اور ادبی دستاویز ہے۔ میر حسنؔ کے چاروں بیٹے یعنی میر مخلوقؔ، میر احسن خلقؔ، میر مستحسن خلیقؔ اور میر محسن شاعر

تھے۔ ان میں خلیقؔ اور خلقؔ صاحب دیوان تھے۔ میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ فیض آباد میں ۱۷۷۶ء یا ۱۷۷۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور مصحفیؔ کے شاگرد رہے۔ بقول محمد حسین آزادؔ پیرانہ سالی کی تکالیف اٹھا کر دنیا سے انتقال کیا۔ پروفیسر ادیبؔ نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۴ عیسوی بتائی ہے۔ میر خلیقؔ کی غزلیات کا ایک دیوان مکمل ہو گیا تھا لیکن شائع ہونے کی نوبت نہ آسکی۔ خلیقؔ کی غزل کا مطلع سُن کر عمر رسیدہ خواجہ آتشؔ نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی تھی۔

رشک آئینہ ہے اس رشک قمر کا پہلو
صاف ادھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

میر خلیقؔ کی چودہ غزلیں ''مجموعۂ سخن'' کے قلمی نسخہ میں بارہ غزلیں مجمع الانتخاب مطبوعہ ۱۸۷۷ء مطبع نول کشور میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً ستائیس مختلف مجموعات شعرا اور تذکرات میں ان کے بعض اشعار ملتے ہیں۔ پروفیسر اکبر حیدری کشمیری کے ترتیب اور تدوین شدہ ''مراثی خلیقؔ'' میں خلیقؔ کی غزلوں اور سلاموں کے نمونے اور تیس غیر مطبوعہ مرثیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ میر خلیقؔ کا پلہ اس زمانے کے تین نامور مرثیہ گو شعرا یعنی میر ضمیرؔ، مرزا فصیحؔ اور دلگیرؔ سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ مرثیہ خوانی ان سب سے بہتر تھی۔ وہ چشم و آبرو کے اشاروں، اعضا کے مناسب حرکات سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر ایسی کھینچ دیتے کہ سننے والے ان کے انداز بیان میں کھو جاتے۔ میر خلیقؔ کی بیٹیاں پیاری بیگم، بندی بیگم، آبادی بیگم، ہرمزی بیگم اور تین بیٹے میر ببر علی انیسؔ، میر مہر علی انسؔ اور میر محمد

نواب مونس تھے۔ انیس سب سے بڑے تھے۔ لیکن خلیق کے تینوں بیٹے صاحب دیوان شاعر اور مرثیہ گو تھے۔

میر انیس کے منجھلے بھائی میر مہر علی اُنس ۱۸۰۷ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۸۵ برس زندگی بسر کر کے لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام ۴۴ مرثیوں، ۵۰ سلاموں اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں محمود آباد ہاؤس لکھنؤ اور راقم حروف کے پاس انس کے بہت سے قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے موجود ہیں۔ انس کے بیٹے وحید اور پروتے فرید کے مرثیہ لاجواب ہیں۔ میر انیس کے سب سے چھوٹے بھائی میر محمد نواب مونس ۱۸۱۱ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۶۴ برس کی عمر میں ۱۸۷۵ء میں لکھنؤ میں انتقال کر گئے۔ آپ کی شعری خدمات میں دیوان غزلیات، مرثیوں کی چھ جلدیں، مجموعۂ سلام اور رباعیات شامل ہیں۔ آپ لاولد تھے۔

میر انیس، کے تینوں بیٹے میر خورشید علی نفیس، میر محمد عسکری رئیس اور میر محمد سلیس شاعر تھے۔ جن میں میر نفیس نے بڑا نام کیا اور انیس کی زندگی ہی میں اپنا الگ چراغ جلا کر پروانوں کو جمع کیا۔ میر خورشید علی نفیس ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں اپنے باپ کے پائینِ مزار دفن ہوئے۔ ان کو ''خطیب منبر بلاغت'' کہا جاتا تھا۔ نفیس کی تصنیفات میں ایک سو سے زیادہ مرثیے، سلاموں کا مجموعہ ''ہدیہ بیش بہا'' رباعیات، نوحہ جات اور مناجاتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ ''ریاض العابدین'' بھی لکھا۔ میر افضال حسین نجم سیتاپوری نے دو تاریخیں وفات کی نکالیں ''چھپا آہ خورشید اوج معانی'' (۱۳۱۸ ہجری) اور ''ہوگیا ملک شاعری تاراج'' (۱۳۱۸ ہجری)

میر محمد عسکری رئیسؔ کی تاریخ وفات ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء معتبر ہے۔ آپ کی تصنیفات میں بائیس (۲۲) مرثیے، چند سلام، غزلیں اور رباعیات شامل ہیں۔ ان کا زیادہ تر کلام غیر مطبوعہ ہے۔ نظم طباطبائی مراثی انیسؔ جلد اول مطبوعہ نظامی پریس میں کہتے ہیں کہ رئیسؔ اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے۔ میر انیسؔ نے مرثیہ ع: ''نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری'' کہہ کر اس میں رئیسؔ کا نام مقطع میں ڈال دیا تاکہ ان کو شوق پیدا ہو اور یہی ذریعۂ معاش ہو جائے۔ لیکن مرثیہ میں بے انتہا پختگی تھی اور لوگوں نے یقین نہ کیا کہ یہ مرثیہ رئیسؔ کا ہے اگر چہ اس میں ایک مصرعہ میں رئیس کی عمر اور کلام کی نسبت سے ع: ''مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب'' تھا تو دوسری طرف رئیس ہی کی پشت کی نسبت یہ شعر بھی شامل تھا۔

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں

پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ راقم کے پاس دو قلمی مرثیے ہیں جو میر رئیسؔ کی زندگی اور ان کی وفات کے دو سال بعد لکھے گئے جن پر تصنیف انیسؔ اور مقطع میں بھی تخلص انیسؔ ہی درج ہے۔

ویسے بھی اگر میر ہدایتؔ کو شاعر تسلیم کر لیا جائے تو خود میر انیسؔ کی پانچویں پشت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دولہا صاحب عروج نے جو انیسؔ کے پوتے تھے خود کو ع: سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں'' کہا تھا۔ میر محمد عسکری رئیسؔ بھی لکھنؤ میں انیسؔ کے پائین مزار دفن ہیں۔

میر انیسؔ کے چھوٹے بیٹے میر محمد سلیسؔ ۱۸۲۹ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے

اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ میں باپ کی پائنتین دفن ہوئے۔ سلیسؔ کی تصانیف میں جو کچھ باقی ہے اس میں سولہ سترہ مرثیے، کئی غزلیں سلام اور قصائد شامل ہیں۔ میر سلیسؔ کے کلام میں پختگی زیادہ تھی اور بقول شادؔ عظیم آبادی ''اگرچہ دوران قیام فیض آباد اور انیسؔ کے انتقال کے بعد بھی انھوں نے کئی مرثیے نہایت مربوط کہے تھے لیکن ان کے ہم عصر یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے والد میر انیسؔ ہی کا کلام پڑھتے ہیں۔''

میر انیسؔ کے پوتے اور میر نفیسؔ کے بیٹے سید خورشید حسن عروج ۱۲۸۲ ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ برس کی عمر گزار کر ۱۳۴۸ ہجری مطابق ۱۹۳۰ء میں مقبرۂ میر انیسؔ لکھنوی میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ''عالی مقام وزینت منبر عروج بودؔ'' (۱۳۴۸) ہے دولہا صاحب عروجؔ کی ادبی خدمات میں پچیس مرثیے، سلام اور رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دولہا صاحب کا مرثیہ پڑھنے کا انداز بہت دلکش اور رعب دار تھا۔ جب دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی نے میر انیسؔ کے مرثیوں کی ترتیب کے لئے دولہا صاحب سے رجوع کیا تو دولہا صاحب نے اس کام کے لئے دس ہزار روپیوں کا مطالبہ کیا جو اشاعتی کمیٹی نے قبول نہیں کیا اور بعد میں اس کام کو نظم طباطبائی کے سپرد کیا گیا، جنھوں نے میر انیسؔ کے کلام کو ترتیب دے کر تین جلدوں میں شائع کیا جو ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ دولہا صاحب عروجؔ کے فرزند سید محمد فائز ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۹۴۶ء میں مقبرۂ میر انیسؔ میں دفن ہوئے۔ فائزؔ کے تقریباً چودہ پندرہ مرثیے کچھ سلام اور رباعیات ہیں جو زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں۔ چونکہ فائز صاحب لا ولد

رہے اس لئے میر انیسؔ کے خاندان کا یہ سلسلہ یہاں پر ختم ہو گیا۔

میر انیسؔ کے خاندان میں دوسرے عظیم شعرا میر وحیدؔ، میر جلیسؔ، میر غیورؔ، قدیمؔ لکھنوی، جلیلؔ لکھنوی میر مانوسؔ، میر عارفؔ، ذکیؔ لکھنوی، فریدؔ لکھنوی، فائقؔ لکھنوی اور لائقؔ لکھنوی قابل ذکر ہیں جو اس گلشن مرثیہ کو اپنے قلم کی رنگینی اور خیالات کی خوشبو سے رشک شاعری بناتے رہے۔ اگرچہ آج میر انیسؔ کی اولاد صلب موجود نہیں لیکن ان کے فرزندان روحانی یعنی ''اشعار'' رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اسی لئے تو ذوقؔ نے کہا تھا:

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

میر انیسؔ کی ولادت

میر انیسؔ فیض آباد کے محلے گلاب باڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ میر خلیقؔ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۲۱۶ ہجری اور ۱۲۲۰ ہجری کے درمیان ہے۔

جناب شبلی نعمانی، جناب مسعود حسن ادیب، جناب نیرؔ مسعود رضوی اور ڈاکٹر اکبر حیدری نے تاریخ ولادت ۱۲۱۸ ہجری بتائی ہے۔

میر انیسؔ کی ماں ہنگا بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جنھیں عربی، فارسی اور اسلامیات میں اتنی دستگاہ حاصل تھی کہ میر انیسؔ کی ابتدائی تعلیم انہی کے ذریعہ ہوئی۔ وہ خود دار خوش اخلاق، متقی و پرہیزگار خاتون تھیں اور ان کی سراسر زندگی

دوسری عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ یہ میر انیسؔ کی والدہ کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا کہ میر انیسؔ کو اسلامی اقدار اور اپنے مذہبی عقیدے سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اسی مومنہ کی آغوش کا بھی اثر تھا کہ ان کے تینوں بیٹے، کئی پوتے اور نواسے عظیم اردو ادب کے شاعر بن کر ظاہر ہوئے اور اس صنف سخن کو جو اعلیٰ اقدار انسانی اور کردار نورانی سے بھرپور تھی اردو شعر و ادب کو مالا مال کر دیا۔

تعلیم و تربیت:

میر انیسؔ ابتدائی اردو فارسی اور عربی تعلیم کو اپنی ماں سے حاصل کرنے کے بعد درسیات میں حکیم میر کلو کے شاگرد ہوئے۔ مرحوم مسعود حسن ادیب کہتے ہیں کہ ''میر انیسؔ نے درسیات کی ابتدائی کتابیں سید نجف علی قبلہ فیض آبادی سے پڑھیں۔ سید نجف علی کشمیری بڑے جید شیعہ عالم تھے وہ تعلیم کتب درسیہ اور علم قرأت میں بے مثل اور لاثانی تھے۔

مولانا نجف علی علم طب میں کامل اور شاعر بھی تھے۔ وہ بائیس (۲۲) سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۵۴ ہجری میں ہوا اور قطعہ تاریخ وفات ''اے ہے سید نجف علی فاضل'' سے نکلتی ہے۔ کہتے ہیں میر انیسؔ نے عربی تعلیم کی تکمیل مولوی حیدر علی صاحب کے زیر نگرانی کی جو حنفی عالم تھے۔

مراثی میر انیسؔ جلد دوم میں نظم طباطبائی لکھتے ہیں: ''میر انیسؔ کے کلام سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم متعارفہ سے ناواقف نہ تھے۔'' پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ ان کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی استعداد کے بارے میں

مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

الف: وہ عربی زبان بہ خوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برمحل استعمال کرتے تھے۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جا بجا اشارہ کرتے ہیں۔ عربی اقوال اور امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔

ب: قرآن اور احادیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات اور احادیث ان کے ترجمے، ان کی طرف اشارہ وتفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام راویوں کے حوالے یہ سب چیزیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔

ج: اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے بھی واقف تھے۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔

د: فارسی زبان وادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیے کا ایک ایک مصرعہ ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لیے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے براو کتابی چند" کا مصداق ہو جانا اور چیز ہے اور علم کو اپنی ذات کا جزو بنالینا اور اس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور بات ہے۔ میر انیسؔ کے نواسے میر علی مانوس جو نو برس کے سن سے پچیس برس تک میر انیسؔ کے ساتھ رہے بیان کرتے ہیں کہ میر انیسؔ کے پاس کوئی دو ہزار کتابیں ہوں گی۔ دو بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میر انیسؔ نے غدر کے بعد شاہنامہ فردوسیؔ کا ایک عمدہ نسخہ مطلّا مصور بخط ولایت دو سو

روپے کا خرید اتھا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے منطق و فلسفہ کا درس مفتی میر عباس سے لیا۔ فن سپاہ گری کی تعلیم میر امیر علی سے لی۔ یہ فن آگے چل کر میر انیسؔ کی رزم نگاری میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔ میر انیسؔ فارسی نظم و نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ فارسی نثر پر میر انیسؔ کے خطوط اس بات کا ثبوت ہیں۔ فارسی نظم میں دو تاریخی قطعے مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ علامہ مفتی میر محمد عباس کی مثنوی من و سلویٰ کی تاریخ طبع چھ اشعار میں لکھی جس کے آخری شعر سے ۱۲۶۳ ہجری کے اعداد نکلتے ہیں:

داد ہاتف ایں صدائے دل پذیر
ہست تاریخش ''کلامِ بے نظیر''

جب ممتاز العلما فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآب کے یہاں پوتا پیدا ہوا تو میر انیسؔ سے تاریخ کی فرمائش کی۔ سمعاً و طاعاً کہہ کر وہ تعمیل ارشاد پر تیار ہوئے اور چھ اشعار پر مبنی ایک قطعہ لکھا جس کے آخری شعر سے ۱۲۸۱ ہجری کی تاریخ نکلتی ہے۔

''چو ارشاد جناب سیّدی شد
پئے تاریخ گفتم '' نیک اختر''

شاعری کی ابتدا:

میر انیسؔ نے گیارہ بارہ برس کی عمر ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ وہ

پہلے غزل گوئی کی طرف مائل تھے اور اپنا کلام اپنے والد خلیقؔ اور چچا میر خلق کو دکھاتے تھے، پھر کچھ عرصہ کے لئے شیخ ناسخؔ کو غزلیات میں اپنا استاد بنایا۔ جب غزل میں پختگی آگئی اور فیض آباد کے مشاعروں میں آپ کی قدر ہونے لگی تو شفیق باپ کی نصیحت سن کر غزل سے مرثیہ گوئی کی طرف رخ کیا۔ آب حیات میں مولانا محمد حسین آزادؔ لکھتے ہیں:

''جب میر انیسؔ کہیں مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ سُن کر دل میں باغ باغ ہوا اور ہونہار فرزند سے پوچھا کہاں گئے تھے۔ انھوں نے حال بیان کیا۔ غزل سُنی اور فرمایا کہ ''بھئی اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس مشغلہ میں زور طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔''

شیخ ناسخؔ نے میر ببر علی کا تخلص حزیںؔ سے بدل کر انیسؔ کر دیا۔ اس واقعہ کی تائید میں سید مہدی حسن احسنؔ ''واقعات انیسؔ'' میں لکھتے ہیں کہ جب انیسؔ نے اپنے والد کی موجودگی میں ناسخؔ کے سامنے اپنی غزل کا شعر پڑھا:

کھلا باعث یہ اس بے درد کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

تو ناسخؔ جھومنے لگے اور فرمایا۔ یہ فرزند رشید آپ کے یادگار خاندان ہوں گے اور یاد رکھئے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔ مگر بجائے حزیںؔ کوئی اور تخلص ہونا چاہیے۔ میر خلیقؔ نے فرمایا۔ آپ ہی کوئی تخلص تجویز کر دیجیے۔ ناسخؔ نے تھوڑا سا سکوت کیا اور پھر کہا مجھے تو

''انیسؔ'' پیارا لگتا ہے۔ میر انیسؔ نے بہ کمال ادب سلام کیا اور اُس روز سے انیسؔ ہو گئے۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ میر انیسؔ مرحوم نے بچپن میں ایک بکری پالی تھی جس کو بہت چاہتے تھے۔ جب وہ مری تو ان کو بہت ملال ہوا اور اس کے مرنے پر یہ شعر فرمایا:

افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مرگئی بکری

جب میر خلیقؔ کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بلا کر مکرر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا اور اس خوشی میں کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے۔ اپنے بیگانوں میں مٹھائی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیسؔ مرحوم کی شاعری کی یہ بسم اللہ ہوئی۔

پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ شاعری میں ان کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس فن کے وہ شعبے جو اکتساب سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنے بڑے چچا میر خلقؔ اور والد میر خلیقؔ سے سیکھے ہوں گے۔ مگر انھوں نے جا بجا میر خلیقؔ اور ان کے اتباع کا ذکر کیا ہے۔ مشہور ہے کہ میر انیسؔ اُس روایت کو جس میں حضور اکرمؐ فرطِ شفقت سے امام حسینؑ کے لئے اونٹ بننا چاہتے تھے نظم کر رہے تھے اور دوسرا مصرعہ کہہ لیا تھا لیکن پہلا مصرعہ جو پسند کے قابل ہو نہیں لگ رہا تھا چنانچہ میر خلیقؔ نے پوچھا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔ انیسؔ نے ٹیپ کا دوسرا مصرعہ پڑھا۔ میر خلیقؔ نے فوراً کہا بیٹا مصرعہ لگا دو۔

جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہوجیۓ ہم اونٹ بنتے ہیں

فنون سپاہ گری:

مولف ''حیات انیس'' امجد علی اشہری جو میر انیسؔ کے استاد فن سپاہ گری میر امیر علی کے محلے میں رہتے تھے ان کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میر انیسؔ نے ''علی مدد'' لکڑی کا ٹھاٹ اور بانک بنوٹ کی کچھ گھائیاں اُن سے سیکھیں۔ میر انیسؔ کبھی ننگے بدن مشق نہیں کرتے تھے بلکہ ورزش کے مناسب کپڑے بنوائے تھے۔ میر انیسؔ نے امرا زادگان کے ساتھ فیض آباد میں ایک حد تک شمشیر زنی کی مشق کی تھی۔ اس فن سپاہ گری کی واقفیت نے رزم نگاری میں میر صاحب کی جزئیات بیانی میں مدد کی۔ میر انیسؔ ہمیشہ ورزش کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ خلوت میں ایک مخصوص کمرے میں ورزش کرتے جو عموماً ڈنٹر کرنے اور مگدر ہلانے پر مشتمل تھی۔

حلیہ

پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ نے میر انیسؔ کی شکل وصورت کو دو بزرگوں کے حوالے سے لکھا ہے جنھوں نے میر انیسؔ کو دیکھا اور سُنا تھا۔ میر انیسؔ کے حقیقی نواسے سید علی مانوس نے کہا کہ ''میر انیسؔ کا قد درمیانہ، مائل بہ درازی، ورزش کی وجہ سے جسم ٹھوس، اعضا متناسب و چست، چھریرا بدن، چوڑا سینہ، صراحی دار گردن، خوبصورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، گیہواں رنگ، مونچھیں ذرا بڑی،

ڈاڑھی اتنی باریک کترواتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے بزرگ مولوی عبدالعلی صاحب مرثیہ خوانی میں میر انیسؔ کے شاگرد بھی تھے کہتے ہیں ''میر انیسؔ کا قد لمبا میانہ سے کچھ زیادہ تھا۔ اُن کا بدن چست ٹھوس اور چھریرا تھاڈاڑھی منڈواتے تھے۔''

حیاتِ انیسؔ میں امجد علی اشہری میر انیسؔ کی شکل وصورت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''میر انیسؔ کا قد لانبا چھریرا، متناسب الاعضا تھا۔ سر کے بال باریک اور ملائم چہرہ خوبصورت اور کتابی، رنگ کھلا ہوا گندمی، آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت جن کی خوش آب سفیدی نرگس کا لطف دیتی تھی۔ آنکھوں کے تیور سے غیورانہ حالت ظاہر ہوتی تھی۔ پتلی کی روشنی بہت تیز تھی۔ مونچھیں بڑی بڑی افگندہ مو، ڈاڑھی صاف، گردن صراحی دار، سینہ کشادہ اور عریض مگر زیادہ ابھرا ہوا نہ تھا۔ میر انیسؔ کی چال نستعلیق تھی۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ ''جب میرے دوست حافظ حکیم سید احمد شاہ مرحوم لکھنؤ میں حکیم علی صاحب سے طب پڑھتے تھے انھوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ اب کہ قرینے میر انیسؔ کی صحت کا نہیں ہے تو میں نے گھبرا کر میر مونسؔ کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے میر صاحب کا ایک فوٹو لے کر مجھ کو بھیج دیجیے۔ میر مونسؔ نے میر صاحب کو میرا خط دکھایا۔ کوئی صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ حضور مشکور الدولہ یہیں ہیں ان کو بلوالیجیے۔ دم بھر میں فوٹو لے لیں گے۔ ان سے کہا کہ میں تو ہرگز تصویر نہیں چاہتا مگر ایسے شخص نے لکھا ہے کہ عذر نہیں کر سکتا۔ آپ ہی مشکور الدولہ کو سلام کہہ دیجیے اور کہیے کہ میر انیسؔ نے بلوایا ہے۔ دوسرے دن مشکور

الدولہ اپنا سامان لے کر آئے اور چاہا کہ اسی حالت کی تصویر لیں مگر میر صاحب نے نہ مانا۔ بہ مشکل کرسی پر بیٹھے فوٹو لیا گیا۔ میر مونسؔ نے ان سب حالات کو لکھ کر دو فوٹو مجھ کو اور دو نواب بہادر کے پاس بھیج دئے۔ ان دنوں زیادہ دن رہنے سے فوٹو کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ کئی سال کے بعد یہی خرابی ہمارے یہاں فوٹو میں ہونے لگی تو اپنے شہر کے بہزادِ دورانی وقت میرزا نثار مہدی مرحوم کو بلا کر ایک مہینہ تک اپنا مہمان رکھا اور اس فوٹو کی نقل سے ایک آئل پینٹ (oil Paint) یعنی ایک بڑی روغنی تصویر کھینچوائی اور جو جو حضرات اس زمانہ تک میر انیسؔ کے دیکھنے والے تھے ایک ایک کر کے سب نے دیکھا اور اچھی طرح سے جانچ لی گئی تو ایک نقل میر نفیسؔ مرحوم کو بھیج دی۔ انھوں نے بھی بہت پسند کیا۔ اب تک میرے کمرے میں موجود ہے۔"

معتبر ذرائع سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قد آدم روغنی تصویر شاد عظیم آبادی کے ہال کمرے میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء تک لٹکتی رہی مگر جب زلزلے میں گر گئی تو مرمت کر کے اس جگہ آویزاں کیا گیا جو ۱۹۴۰ء میں برسات کی وجہ سے چھت گر جانے سے ملبہ میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کسی نے اس جانب توجہ بھی نہ کی، لیکن ہو بہو یہی تصویر پیارے صاحب مرحوم رئیس مظفر آبادی کے تین گھاٹ والے مکان میں موجود تھی۔ خدا جانے یہ تصویر کیا ہوئی؟

پروفیسر نیّر مسعود رضوی "بزم انیسؔ" میں کہتے ہیں کہ انیسؔ کی مستند ترین تصویر وہ ہے جو اُن کے ایک قدر دان نے کسی با کمال مصور سے ہاتھی دانت کی تختی پر بنوا کر ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ میر انیسؔ کی جو تصویریں عام طور پر چھپتی رہتی

ہیں وہ اسی ہاتھی دانت والی تصویر کا نقش مستعار ہیں لیکن ان نقوش میں اصل کے موقلم کی باریکیاں نہیں آسکیں۔ اصلِ تصویر میں میر انیسؔ کی غلافی آنکھیں، آنکھوں کے نیچے باریک جھرّیاں رخساروں کی ہڈیوں کا ہلکا سا ابھار، ذرا پھیلے ہوئے نتھنے اور بھچے ہوئے پتلے پتلے ہونٹ مل کر ایک ایسے شخص کا تاثر پیدا کرتے ہیں جو بے حد ذکی الحس اور ارادے کا مضبوط ہے۔ یہ تصویر میر خورشید علی نفیسؔ کے نواسے میر علی محمد عارفؔ کے خاندان میں موجود تھی۔

وضع اور لباس

میر انیسؔ کی وضع خاص مشرقی لباس سے مرکب تھی۔ انیسؔ کے لباس کے بارے میں ان کے نواسے سید علی مانوس نے پروفیسر ادیب سے بیان کیا کہ ''سر پر حباب کی شکل کی قالب پر چڑھی ہوئی ٹوپی جو گرمیوں میں سفید اور جاڑوں میں ریشمی کام کی رنگین ہوتی تھی۔ نیچا نیچا خوب گھیر دار کرتا جو گھٹنوں سے کچھ نیچا اور سفید رنگ کا ہوتا تھا، جامدانی یا ململ کا گرمیوں میں صرف یہی کرتا مگر جاڑوں میں انگرکھے کی قطع کاروائی دار۔ گرمیوں میں ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ جسے عرض کا پاجامہ کہتے تھے۔ جاڑوں میں اسی وضع کا ریشمی رنگین پاجامہ جو اودے سبز یا گلابی مشروع کا ہوتا تھا یا گل بدن کا گھر میں زرد مخمل کا گھیتلا جوتا۔ باہر اسی وضع کا زردوزی جوتا جو اس وقت پچیس تیس روپے کا بنتا اور اکثر کاریگر گھر پر بلوا کر بنوایا جاتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رومال۔ کبھی کبھی دوپٹا بھی کندھے پر آڑا کر کے ڈال لیتے تھے۔ امجد علی اشہری کہتے ہیں۔ میر صاحب نے اپنے لئے وہ لباس اختیار کیا

تھا جو آخر وقت تک اُن کے جسم پر موزوں رہا اگر چہ اس دوران لکھنؤ کی وضع میں کئی تغیرات آئے اور زبان نے کئی رنگ بدلے، لیکن میر انیسؔ کی وضع ان کی زبان کی طرح وہی رہی جو پہلے تھی۔ میر انیسؔ سر پر پنج گوشہ ٹوپی لگاتے تھے۔ کبھی گول پردہ کا انگرکھا زیب جسم فرماتے تھے اور لکھنؤ کے عام رواج کے موافق غرارہ کا ڈھیلا پاجامہ پہنتے تھے۔ ہاتھ میں پتلی چھڑی اور سفید رومال ہوتا تھا۔

پابندی اوقات

میر انیسؔ ایک خاص رکھ رکھاؤ اور پابندی اوقات کے بے تاج بادشاہ تھے۔ وہ خود بھی وقت کی پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی یہی امید کرتے تھے۔ وہ اپنے بے تکلف روزمرہ ملنے والے افراد حتیٰ کہ خاندان والوں اور بھائیوں سے ایک خاص وضع سے ملتے اور کسی کو بھی حدّ ادب سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ''حیات انیسؔ'' کے مولف امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ خود انھوں نے میر خادم علی اور نواب بڈھن صاحب جیسے اکابر لکھنؤ سے سُنا ہے کہ میر صاحب تک پہنچنے اور ان سے ہم کلام ہونے کے لئے درباری قسم کے چند قواعد کی پابندی لازم تھی۔ کوئی یوں بے تکلف سامنے نہ جا سکتا تھا جب تک کہ میر صاحب اس کے آنے کی اجازت نہ دیں یا ملاقات کا وقت مقرر نہ ہو جائے۔ میر حامد علی سے ملاقات کے لئے انیس نے رات کا وقت مقرر کیا تھا۔

اخلاق و کردار

میر انیسؔ سادہ مزاج خوش مشرب اور پُرخلوص فرد تھے۔ ان کی شخصیت بڑی دل نواز اور ان کی صحبت بڑی خوشگوار ہوتی تھی۔ میر حامد علی کے قول کے مطابق میر انیسؔ نہایت خوش گفتار تھے۔ جب تک وہ گفتگو کرتے رہتے تو کوئی بھی شخص کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا تھا۔ میر انیسؔ کے حیدرآباد کے سفر کی روداد کا ذکر کرتے ہوئے جناب شریف العلماء مولوی سید شریف حسین خاں صاحب اپریل ۱۸۷۱ء میں میر انیسؔ کے ساتھ اپنی ہم نشینی کے بارے میں کہتے ہیں ''میں عرض نہیں کرسکتا ہوں کہ میر صاحب کی صحبت میں کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑے غیور، خوش اخلاق، نیک مزاج اور نہایت خوش صحبت ہیں کہ انسان ان کی باتوں میں محو ہوجاتا ہے۔ اگر وہ کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔'' شادؔ عظیم آبادی جنھوں نے میر انیسؔ سے کم از کم پچیس بار ملاقات کی تھی فکر بلیغ میں میر صاحب کے اخلاق اور مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''میر انیسؔ ہرگز بدمزاج، خود پسند اور بداخلاق نہ تھے۔ جب ملا اور صحبتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان سے زیادہ خوش مزاج منکسِر، خوش اخلاق شاید ہی کوئی ہو۔ خندہ روئی کے ساتھ لوگوں سے جھک کر صاحب سلامت اور تعظیم کرنا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر جناب اور آپ حضور کے کلمے سے مخاطب کرنا، اہل فن کی حرمت کرنا اور بزرگوں کے نام کو تعظیم کے ساتھ لینا اس کا ثبوت ہے۔

میر انیسؔ کی خاص عادت تھی کہ وہ کبھی کسی کی غیبت کو گوارا نہیں کرتے

تھے۔ جب عظیم آباد میں ایک سائل نے میر انیسؔ کے سامنے کہا کہ مرزا دبیر کیا ہیں اور آپ سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں تو میر انیسؔ متغیر ہو گئے۔ اٹھے کمرے میں گئے اور دو روپے لے کر نکلے۔ ان کو بلا کر کہا۔ سید صاحب! مرزا دبیرؔ نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ آپ کے جد کا مرثیہ کہتے ہیں۔ دیکھئے پھر آیندہ ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالئے خاص کر میرے سامنے۔ جب سید صاحب چلے گئے تو کہنے لگے اچھے پڑھے لوگ بھی اس عیب میں مبتلا ہیں کہ میں خوش ہوں گا۔ حالانکہ مجھ پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ مرزا دبیرؔ نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کیا میرے لیے وہ مرثیہ گوئی ترک کر دیتے۔ کیا میر انیسؔ کے اس اخلاق و انکساری کا جواب مل سکتا ہے؟ جب مشہور سلام ''سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو'' کے سلسلہ میں مونسؔ نے مرزا دبیرؔ پر طعنہ دیا تو میر انیسؔ خفا ہوئے اور مونسؔ کو مرزا دبیرؔ کے پاس بھیجا تا کہ معافی مانگیں۔ اسی طرح مرزا دبیرؔ اپنے شاگرد مشیرؔ لکھنوی پر خفا ہوئے اور میر انیسؔ کے پاس بھیج کر معافی مانگی۔

میر انیسؔ کا شعری ذخیرہ

آج سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر بھی فارسی ادب میں فردوسیؔ کی فرضی داستان کے پچاس ہزار اشعار بہ مشکل ''شاہ نامہ'' میں موجود ہیں۔ لیکن اسے زمانے کی ستم ظریفی کہیے کہ ابھی میر انیسؔ کا کفن میلا بھی نہ ہوا تھا کہ ان کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا۔ میر انیسؔ نے یہ کہہ کر ''جاگیر خلد لینا ہے اس کا صلہ مجھے۔'' اس کی حفاظت اور طباعت کی طرف چنداں توجہ نہ کی۔ خاندانی افراد نے بھی اس کی

جمع آوری کی کوئی خاص کوشش نہ کی بلکہ مولف ''حیات انیسؔ'' امجد علی اشہری سے میر انیسؔ کے سگے بھائی میر مہر علی انسؔ نے سعدیؔ کا شعر پڑھ کر اس سہل نگاری کی تمام تر ذمہ داری خاندان پر رکھی۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدیؔ از دست خویشتن فریاد

میر انیسؔ نے گیارہ بارہ برس سے شعر گوئی شروع کی تھی۔ چنانچہ ساٹھ سال کی ریاضت کی مقدار زیادہ تھی کیوں کہ انیسؔ نے تمام عمر مرثیہ کہا اور اپنی عمر عزیز کے روز و شب اسی شغل نیک میں صرف کر دیے۔ ''حیات انیسؔ'' میں امجد علی اشہری انیسؔ کے مرثیوں کی تعداد ہزاروں بتاتے ہیں۔ خود انھوں نے دو ڈھائی سو مرثیے دیکھے تھے۔ مولانا محمد حسین آزادؔ ''آب حیات'' میں مرثیوں کی تعداد دس ہزار بتاتے ہیں۔ ''یادگار انیسؔ'' میں امیر احمد علوی نے میر انیسؔ کے مرثیوں کی تعداد لگ بھگ چودہ سو بتائی ہے۔ ''فکر بلیغ'' میں شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں۔ ''میر صاحب نے ایک ہزار سے زیادہ مرثیے نظم کیے اور اسی قدر یا اس سے کچھ کم سلام و رباعیات۔ پھر مرثیہ بھی زیادہ تر دو دو سوا کثر تین تین سو بند۔ ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے کر آتے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوب صورتی اور بے تکلفی سے چن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع کر لئے تھے کہ اب جو چاہے اپنے دامن فکر میں بے کھٹک بھر لے۔''

مرحوم ڈاکٹر صفدر حسین اس وقت موجود مراثی انیسؔ کی تعداد ۲۵۰ کے قریب

بتاتے ہیں۔ پروفیسر نیر مسعود ''بزم انیس'' مطبوعہ ۱۹۹۰ میں میر صاحب کے مطبوعہ
مراثی کی تعداد تقریباً دو سو، سوا سو کے قریب سلام، کوئی چھ سو رباعیاں چند
منقبتیں، نوحے، فارسی میں بعض قطعات اور کچھ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام
بتاتے ہیں۔ انیسیات کے بعض علما نے غزلیات کے تقریباً ۱۴۴ اشعار بھی میر
صاحب سے منسوب کیے ہیں۔ جو چار غزلوں اور کچھ مفرد شعروں کی شکل میں
موجود ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق کے بموجب مراثی ۲۱۳، ۱۰۳ سلام، ۱۴
نوحے اور درجن بھر تضمینات مُنَاجات کے علاوہ رباعیات ۵۷۹ ہمارے درمیان
مطبوعہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی انیس سے
منسوب ہے۔ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے
ہیں۔ ''آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاتا ہے
کہ اس نے اور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال
کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اس کو معیارِ کمال قرار دیں تو بھی میر انیس کو اردو شعرا میں
سب سے برتر ماننا پڑتا ہے۔ اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ
الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف انیس
کے کہ اس کے ہر لفظ اور محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔'' حالی کا یہ
جملہ'' نظیر اکبر آبادی نے شاید انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں'' کو،
کورانہ بغیر تحقیق کے دوسرے علمائے ادب نے استعمال کرتے ہوئے لفظ شک
''شاید'' بھی نکال دیا۔ راقم نے اس امر کی تحقیق کے لیے کلیات نظیر اکبر آبادی
چھاپ لکھنوی ۱۹۲۲ء کا مطالعہ کیا جو ۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ نظیر اکبر آبادی

(متوفی ۱۶؍اگست ۱۸۲۰ء) کے دو اردو دیوان، ایک فارسی دیوان اور سات فارسی مضامین ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے کلیات میں تقریباً سات ہزار اشعار ہیں۔ ان کا پہلا دیوان جس کی بابت مشہور فرانسیسی مُستشرق گارساں دی تاسی نے لکھا تھا وہ دیونا گری رسم الخط میں ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ اب عنقا ہے۔ نظیؔر اکبر آبادی کے سوانح نگار پروفیسر شہباز کے قول کے بموجب صرف پانچ فارسی مضامین مخطوطات کی شکل میں دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کے سکشن میں موجود ہیں۔ ان تصانیف سے اس بات کی تائید نہیں کی جاسکتی کہ نظیؔر اکبر آبادی نے میر انیسؔ سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔

اگرچہ میر انیسؔ کے جملہ اشعار کا تعین کرنا دشوار ہے لیکن جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس موجود ہے ان میں کل اشعار کی تعداد اسّی (۸۰) ہزار اشعار سے زیادہ نہیں اور اس طرح الفاظ اور اشعار کی تعداد کے لحاظ سے میر انیسؔ اردو شاعروں میں سرفہرست ہیں۔

انتخابِ بحر

میر انیسؔ نے مرثیوں کے لئے چار بحروں کے اوزان مقرر کر لئے تھے۔ چنانچہ مطبوعہ مرثیوں میں بحر ہزج کے اوزان اخرب، مکفوف و محذوف میں (۸۷) مرثیے، بحر مضارع کے اوزان اخرب مکفوف و محذوف میں (۵۲) مرثیے، بحر رمل کے اوزان مخبون اور محذوف میں (۵۳) مرثیے اور بحر مجتث کے وزن مخبون ، محذوف میں تین چار مرثیے موجود ہیں۔

مرثیوں کے مطلعے

مراثی میر انیسؔ میں نظمؔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ انیسؔ نے جو مرثیے ابتدائی عمر میں لکھے وہ مختصر ہوتے تھے اور زیادہ تر اے مومنو یا مومنو سے شروع ہوتے تھے لیکن جیسے جیسے مشق سخن بڑھتی گئی مطلعوں میں نکھار آتا گیا۔ چنانچہ میر انیسؔ کے ٦٧ سے زیادہ مرثیے لفظ ''جب'' سے شروع ہوتے ہیں جن میں کئی شاہکار مرثیے شامل ہیں۔

نظام اوقات

میر انیسؔ کے نواسے سید علی مانوس نے میر انیسؔ کے نظام اوقات کے بارے میں بتایا کہ میر انیسؔ قریب قریب ساری رات جاگتے تھے۔ نماز صبح پڑھ کر آرام کرتے تھے۔ کوئی نو بجے سو کر اٹھتے تھے۔ دس گیارہ بجے کھانا کھاتے تھے۔ اس کے بعد میر مونسؔ اور میر نفیسؔ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ دو بجے کے قریب پھر آرام کرتے تھے۔ عصر کے وقت اٹھتے اور نماز سے فارغ ہوکر دیوان خانہ میں تشریف لے جاتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد مرثیے کی تصنیف میں مشغول ہوجاتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے وقت مکان کے جنوبی رخ کے دوسرے دریچے میں تخت پر بیٹھتے تھے۔ سامنے کنول روشن رہتا تھا۔ پہلو میں کتابیں ہوتی تھیں۔ زیادہ تر دو زانو بیٹھتے تھے۔ جب کچھ سوچنے لگتے تو اکثر کہنیاں زانوؤں پر

ہوتی تھیں اور رخسار ہاتھوں پر۔ مرثیہ گوئی کا مشغلہ نماز صبح کے وقت تک جاری رہتا تھا۔ میر مانوس نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میر انیسؔ مرثیہ کہتے وقت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور خود بولتے جاتے تھے اور کوئی شخص لکھتا جاتا تھا۔

شعراء کی قدر دانی

میر حامد علی تقریباً ہر رات نو بجے سے بارہ بجے رات تک میر انیسؔ کی خدمت میں رہتے۔ کبھی کبھی مونسؔ اور نفیسؔ بھی شریک ہو جاتے۔ ان صحبتوں میں زیادہ تر شعر و ادب کے متعلق گفتگو رہا کرتی تھی۔ اچھے اچھے اشعار پڑھے جاتے اور ان پر تبصرہ کیا جاتا۔ جن میں فارسی کے اشعار زیادہ اور اردو کے کم ہوتے۔ میر انیسؔ ہمیشہ دوسرے شعرا کے اشعار سناتے تھے لیکن کبھی اپنے شعر نہیں پڑھتے تھے۔ ان راتوں کی محفلوں میں شاہنامہ فردوسیؔ کا اکثر ذکر ہوتا۔ میر انیسؔ کو شاہنامہ کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ وہ فردوسیؔ کو خدائے سخن کہا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران کسی عالم شخص نے میر انیسؔ کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میرؔ کی شاعری کا پایہ بھی آپ کے سامنے پست نظر آتا ہے۔ انیسؔ نے فرمایا میرؔ غزل کے استاد۔ میں ایک مرثیہ گو۔ انھوں نے کہا جناب عالی میرا قول بے دلیل نہیں، مقابلہ کر لیجیے۔

میرؔ کا مطلع

اس زلف پہ محو ہو گئے ہم — یعنی سرِ شام سو گئے ہم

اور آپ نے فرمایا

اک آہ میں سرد ہو گئے ہم ٹھنڈی جو ہوا تھی سو گئے ہم

میرؔ کا ایک اور شعر

ہاتھوں پہ جھرّیاں نہیں ہیں
پیری جامے کو چن رہی ہے

آپ نے فرمایا:

یہ جھرّیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

یہ سن کر میر انیسؔ مسکرانے لگے۔ میر انیسؔ غالبؔ سے اور غالبؔ میر انیسؔ کے کلام سے بخوبی واقف تھے۔ میر انیسؔ غالبؔ کو یگانۂ روزگار جانتے تھے اور قربان علی سالکؔ شاگرد غالبؔ کے سامنے غالبؔ کو انہی الفاظ سے یاد بھی کیا تھا۔

مرزا غالبؔ کے انتقال پر میر انیسؔ کے قلم سے لکھے ہوئے چار مصرعے ان کے قلبی تاثرات کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

گلزارِ جہاں سے باغ جنت میں گئے مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداح علی کا مرتبہ اعلا ہے غالبؔ اسداللہ کی خدمت میں گئے

جب شادؔ عظیم آبادی نے خواجہ آتشؔ کی تعریف کی تو ان سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں وہ ہمارے فیض آباد ہی کے تھے۔ پھر جب شادؔ نے شیخ ناسخؔ کے بارے میں کہا تو کہنے لگے۔ ذی علم تو ضرور تھے لیکن دل میں

خاک اُڑتی تھی۔ شاؔد نے خواجہ وزیر کے متعلق کہا کہ یہاں لوگ ان کے رنگ پر مرمٹتے ہیں تو کہنے لگے لکھنؤ کا بھی یہی حال ہے مگراب لوگ سمجھتے جاتے ہیں۔

میر انیسؔ نے سالکؔ کے سامنے مومنؔ خاں مومنؔ کو اپنی طبیعت کا بادشاہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

تقلید طرز مرثیہ

بعض افراد نے میر انیسؔ کو میر ضمیرؔ کا متبع کہا ہے۔ ان لوگوں نے مرثیہ کا ڈھانچہ جو مسدّس ہیئت میں میر ضمیرؔ کے دور میں اس کے مختلف اجزا کے ساتھ تیار ہو چکا تھا اس کو طرزِ ضمیرؔ سمجھ کر ان کے اس شعر کو اس کی سند بنائی ہے۔

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو بھی کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

لیکن یہاں طرز سے مراد ہیئت مرثیہ یا اجزائے مرثیہ نہیں بلکہ مرثیہ کی داخلی ساخت ہے۔ چنانچہ جن افراد نے میر ضمیرؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ضمیرؔ کے طرز میں مرثیہ کا چہرا اور سراپا تخیل کی بلندی، معنی آفرینی اور استعاروں کی نمائش ہوتا ہے جب کہ میر انیسؔ کا طرز بیان اس سے بہت جدا ہے۔

اسی لئے تو میر انیسؔ نے کہا تھا:

جدو آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجداد با وقار سے میراث پائی ہے

ایک مرثیے میں فرماتے ہیں:

خلق میں مثل خلیقؔ اور تھا خوش گو کوئی کب — نام لے دھو لے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشن زہراؑ و علیؑ عاشق رب — متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب

ہو اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر وہ بیرونی ہے

یہ طرز اسلوب انیسؔ اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص تھی۔ فرماتے ہیں۔

سچ ہے یہ طرزِ خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

تلامذہ

جن افراد نے میر انیسؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لی اور خواندگی مرثیہ سیکھی ان میں مونسؔ، نفیسؔ، رئیسؔ اور سلیسؔ کے علاوہ فارغؔ سیتاپوری، ذکیؔ لکھنوی، رفیقؔ

لکھنوی قابلِ ذکر ہیں۔ میر انیسؔ کے شاگردوں میں مونسؔ، نفیسؔ، اور فارغؔ نے نام حاصل کیا۔ فارغؔ کے صرف ایک مرثیہ پر انیسؔ کی اصلاح ہے۔ فارغؔ نے ایک مرثیہ ۸۰۰ بند کا لکھا ہے۔

اقامت گاہیں

میر انیسؔ گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے اور چالیس بیالیس سال کی عمر میں لکھنؤ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیض آباد میں میر انیسؔ کا گھر محلّہ راٹھ حویلی جسے بنگلہ بھی کہتے ہیں واقع تھا۔ میر انیسؔ نواب امجد علی شاہ کے زمانے (۱۸۴۶ء) میں لکھنؤ آئے اور لکھنو کے مختلف محلوں میں سکونت پذیر ہوئے، جن میں شیدیوں کا محلّہ، سنہٹی، نخاص، پنجابی ٹولہ، منصور نگر، سبزی منڈی، عقب چوک اور محلّہ آئینہ سازاں مشہور ہیں۔

ذاتی امام باڑہ

میر انیسؔ نے ۱۲۷۱ہجری میں اپنے پیسوں سے لکھنؤ میں گومتی کے کنارے خوبصورت عزا خانہ تعمیر کروایا تھا جس میں بیش قیمت تبرکات، علم پٹکے اور ضریح موجود تھے۔

افسوس کہ میر صاحب اس عزا خانہ میں دو تین برس سے زیادہ مجلسیں نہ کر سکے۔ غدر میں گولہ باری کے اثر سے یہ امام باڑہ دوسری عمارتوں کے ساتھ

منہدم ہوگیا اور اس کی تاریخ امام باڑہ کی قسمت بن گئی جہاں ہمیشہ حضرت زہراؑ کے رونے کی آواز سنی جائے گی۔

منبر پر نشست اور پڑھنے کا انداز

معتبر چشم دید افراد کے قول کے مطابق میر انیسؔ منبر کے دوسرے زینہ پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ بعض وقت وہ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اوپر کے زینہ پر بیٹھیں لیکن انھوں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا۔ میر انیسؔ نہایت وقار اور ادب سے منبر پر بیٹھتے تھے اور پہلے نقش تصویر ہو کر چند منٹ تک چپ بیٹھے رہتے۔ مرثیہ پڑھتے وقت گھٹنوں پر سفید رومال ڈال لیتے۔

میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی بے نظیر تھا۔ جب وہ شعر پڑھتے تو شعر کی صورت بن جاتے تھے۔ یعنی شعر میں جو جذبات ہوتے وہ مجسمہ کی صورت میں لوگوں کی نظروں کے سامنے آجاتے تھے۔ وہ چشم و ابرو کے اشارات اور تیور سے شعر کے جذبات بناتے تھے اور بہت ہی کم جسم کے کسی حصہ کو جنبش دیتے۔ شعر میں اگر غم خوشی حیرت غصہ، رحم، تعجب یا شجاعت کا ذکر ہوتا تو وہ اس کی تصویر بن جاتے۔ یہ طرز مرثیہ خوانی میر صاحب نے کسی سے سیکھا نہیں تھا بلکہ وہ خود اس کے موجد تھے اور یہ عطائے الٰہی تھی۔ چنانچہ امیر احمد علوی ''یادگار انیسؔ'' میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شاگرد میر انیسؔ سے مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا تو وہ اس سوال سے منغض ہو جاتے اور فرماتے ''یہ کیا سیکھے گا اور میں کیا سکھاؤں گا؟ بھئی یہ

کچھ سیکھنے کا فن ہے؟

مولانا آزادؔ "آب حیات" میں لکھتے ہیں۔ "میر انیسؔ مرحوم کو میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا، کہیں اتفاقاً ہی ہاتھ اٹھ جاتا یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی ورنہ کلام سارے مطالب کے حق پورے کر دیتا تھا۔"

مولانا امجد علی اشہری مولف "حیات انیسؔ" لکھتے ہیں۔ میں نے میر انیسؔ کو پڑھتے ہوئے سنا وہ فقط ابرو کے اشارے اور گردن کی حرکت سے کام لیتے تھے۔ ان کے اعجاز وضاحت کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو کچھ کہہ سکے۔ شیخ حسن رضا "تردید موازنہ" میں لکھتے ہیں کہ "میر انیسؔ کے اندر مرثیہ خوانی میں افراط وتفریط کا نام نہ تھا۔ بنوٹ اور تصنع کی ہوا تک نہ آنے پائی تھی۔ تیور اور اشارات مہذبانہ جیسے ان بزرگوں سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا ان کے خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ ان کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔" خود میر انیسؔ اپنی خوش کلامی کے بارے میں ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

شہرہ ہو سو جو خوش کلامی کا ہے باعثِ مدح امامؑ نامی کا ہے
میں کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

مولف حیات رشیدؔ، میر انیسؔ کے نواسے جنابؔ پیارے صاحب رشیدؔ کی زبانی لکھتے ہیں کہ "میر انیسؔ کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے تھے۔ شادؔ عظیم آبادی جنھوں نے میر صاحب کا

شاہکار مرثیہ ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' کو بیسویں بند سے عظیم آباد کے عاشور خانہ میں سُنا، لکھتے ہیں میر انیسؔ ہال میں پورپ کی طرف ایک چھوٹے سے سیاہ پوش منبر پر پڑھ رہے تھے۔

ع: وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان

وہ دشت کو سریلی بلند آواز میں ایسا کھینچا تھا کہ وسعت دشت آنکھوں میں پھر گئی۔ اللہ اللہ وہ لفظوں کا ٹھہراؤ وہ لب و لہجہ وہ لبوں پر مسکراہٹ غرض کس بات کو کہوں۔ اُس وقت میر انیسؔ کی جو بات تھی کلیجہ کے اندر اتری چلی جاتی تھی۔

مشہور ہے کہ میر انیسؔ جب کوئی مقام رقت آمیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہو جاتے تو ضبط کی غرض سے نیچے کے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا لیتے جس سے داہنی جانب کا رخسارہ متحرک ہو جاتا تھا۔ ان کا تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلوگیر نہ ہو مگر قدرتاً یہ دلفریب ادا دل کو بے تاب کر دیتی۔ رزم پڑھتے وقت چہرے پر جذبات کے نقوش یوں ظاہر ہوتے کہ چہرے کی جھرّیاں مٹ جاتی اور چہرے کی رگ و پے میں خون کا دورہ اس قدر ہوتا کہ چہرہ پر جوانی کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

یہ شرط ہے کہ نہ دعوئی کروں طلاقت کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زبان سے چلے

شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحب سابق پرنسپل عربی کالج الٰہ آباد بیان کرتے ہیں ''جب میں الٰہ آباد کی میر انیسؔ کی مجلس میں پہنچا تو عالی شان مکان آدمیوں سے بھر چکا تھا۔ اس لئے میں کھڑا ہو کر سننے اور دور سے ٹکٹکی باندھ کر۔ میر انیسؔ کی صورت اور ان کے ادائے بیان کو دیکھنے لگا۔ میر انیسؔ بڈھے ہو چکے تھے۔ مگر ان کا طرز بیان جوانوں کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی لڑکوں پر جادو کر رہی ہے جس کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے اور جب چاہتی ہے ہنساتی ہے اور جب چاہتی ہے رُلاتی ہے۔ میں اس حالت میں دو گھنٹے کھڑا رہا۔ میرے کپڑے پسینہ میں تر ہو گئے اور پاؤں خون اترنے سے شل ہو گئے۔ مجھ کو یہ بات محسوس نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ دلچسپ محویت کیا ہو گی۔''

پیری کے ضعف اور ناتوانی میں بھی وہ زور بیانی تھا کہ خود فرماتے ہیں۔

گو پیر ہوں پر زورِ جوانی ہے ابھی تک   سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں، پر تیز بیانی ہے ابھی تک   قبضے میں وہ تیغِ صفاہانی ہے ابھی تک

گھٹا زور مشق سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نہایت خوش آواز تھے اور جتنے خوش آواز تھے اُس سے زیادہ کہیں خوش بیان تھے۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ چہرے کا تغیر، آنکھوں

کی گردش، اعضا کی حرکت یہ سب چیزیں موقع ومحل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو لفظوں سے ادا نہیں ہوسکتا وہ بیان کے انداز سے ادا ہو جاتا ہے۔ انیسؔ مرثیہ اس طرح پڑھتے تھے کہ کلام کا اثر بدرجہا بڑھ جاتا تھا۔ ایک ایک اشارے سے واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کا پڑھنا سن کر مبہوت و متحیر ہو جاتے۔ عام طور سے مسلّم ہے کہ میر انیسؔ کا سا مرثیہ پڑھنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔

پہلی مجلس

انیسؔ کی پہلی مجلس کے بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انیسؔ کی پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں واقع ہوئی جس میں میر خلیقؔ اور میر ضمیرؔ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں بزرگوں کی رائے سے انیسؔ نے یہاں مجلس پڑھی۔ شروع میں انھوں نے ذیل کی رباعی پڑھی تھی۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا ظلِ علم صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

اگرچہ لکھنؤ کی کئی منتخب مجالس کا ذکر ملتا ہے جس میں تاریخی مجلس محل شاہی، مجلس سرائے معالی خاں، مجلس میاں مداری، مجلس مسجد چوک وغیرہ وغیرہ یہاں ہم

صرف مجلس چہلم اہلیہ میر ضمیرؔ کے ذکر کے بعد عظیم آباد اور حیدر آباد کی مجلس سے ہوتے ہوئے انیسؔ کی آخری مجلس پر بیان تمام کریں گے۔

مجلس چہلم اہلیہ میر ضمیرؔ

مرزا دبیر کے استاد میر ضمیرؔ نے میر انیسؔ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ان کے عروج کمال کو دیکھتے ہوئے اپنی اہلیہ کی مجلس چہلم میر انیسؔ سے پڑھوائی۔ اُس وقت میر انیسؔ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ اس مجلس میں تمام شہر کے امراء، رؤسا، اور خاص و عام کے علاوہ خواجہ آتشؔ اور خواجہ ناسخؔ بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں میر صاحب نے یہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

جب میر انیسؔ نے تلوار کی تعریف میں یہ بیت پڑھی:

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتشؔ جو پہلے ہی سے جھوم رہے تھے اور جن پر عالم وجد طاری تھا نصف قد سے کھڑے ہوگئے اور بلند آواز میں کہا۔ کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو واللہ تم شاعر گر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمھارے ہی سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔

مجالس عظیم آباد

میر انیسؔ چار سال ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲ میں عظیم آباد تشریف لے گئے۔ تین سال آپ نواب قاسم علی خان اور آخر بار ان کے فرزند کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ میر مونسؔ بھی جاتے تھے لیکن ایک سال تینوں بھائی عظیم آباد گئے۔ چنانچہ پہلے مونسؔ اور پھر انس اور آخر میں میر انیسؔ نے مرثیے پڑھے۔ میر انیسؔ نے اپنا شاہکار مرثیہ ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' عظیم آباد میں ۱۸۵۹ء میں پڑھا تھا۔

میر انیسؔ حیدرآباد میں

۱۸۷۱ء میں حیدرآباد دکن کے رئیس نواب تہور جنگ بہادر نے انیسؔ کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی۔ میر انیسؔ ۱۰/مارچ ۱۸۷۱ء سے ۱۵/اپریل ۱۸۷۱ء تک حیدرآباد میں رہے۔ پہلی محرم کو انھوں نے مرثیہ سنانے سے پہلے یہ رباعی پڑھی۔

اللہ و رسولؐ کی امداد رہے　　سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے　　یارب آباد حیدرآباد رہے

پھر مرثیہ ع: ''بخدا فارس میدان تہور تھا حُر'' پڑھا۔ جب مرثیہ شروع ہوا تو ایک سماں بندھ گیا اور چاروں طرف واہ وا کا شور بلند ہوا۔ میر انیسؔ نے پورے دس دن یکم محرم سے عاشور تک مسلسل مجالس پڑھیں۔ سارا حیدرآباد مشتاق بلکہ

''انیسیہ'' ہو گیا۔ کسی مجلس میں پانچ ہزار سامعین سے کم نہ تھے۔ یہاں کے معمر لوگ کہتے ہیں کہ سو برس سے ایسی مجلس اور ایسے مجمعے یہاں نہیں ہوئے۔ خاص کر نویں تاریخ کو میر صاحب نے ایک لاجواب مرثیہ پڑھا۔ مطلع ہے ع: ''جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہؑ کا۔'' تہور جنگ بہادر نے پانچ ہزار روپے نقد نذرانہ دیا۔

آخری مجلس

''حیات انیسؔ'' میں امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب اور نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل میں پڑھی۔ اس مجلس میں جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع ہے۔ ''جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج''۔

بیماری

میر انیسؔ آنکھوں میں ضعف آنے کے بعد بے حد مضمحل رہنے لگے۔ لوگوں کے اصرار پر پڑھتے۔ کبھی کبھی مونسؔ اور نفیسؔ منبر کے پاس کھڑے رہتے اور بتاتے جاتے تھے۔ اتنے ضعیف ہو گئے کہ ہاتھ تھام کر چلنے کی ضرورت رہتی۔ دانت ہلنے لگے تو تار سے بندھوایا۔ اکثر تار سے خراش پہنچتی تھی۔ اس وقت بھی ظرافت ہاتھ سے نہ جانے دی اور فرمایا دیکھو بیس دانتوں میں زبان پڑ گئی ہے۔

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اے انیسؔ
پھر بھی دشمن کی نگہ میں خار ہوں

احسن لکھنوی لکھتے ہیں کہ ۲۴ رمضان ۱۲۹۱ہجری میر صاحب تپ اور دردِ سر میں مبتلا ہوئے۔ رفتہ رفتہ جگر پر ورم آ گیا۔ لکھنؤ کے مشہور اطبا کا علاج جاری رہا۔ آخر میں اسہال کبدی اور دق کی شکایت ہوگئی تھی۔ میر صاحب کا حال پوچھنے کے لیے اتنے لوگ آئے کہ ایک ڈھیر امام ضامن کا کمرے میں لگا ہوا تھا۔ مونسؔ کے دیوان فصاحت عنوان میں لکھا ہے کہ میر انیسؔ نے آخری وقت یہ رباعی کہی:

عازم طرف بالا ہوں میں / اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں
یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے / گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

وفات

۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء شب جمعہ میر انیسؔ نے انتقال کیا۔ رات کو غسل دیا گیا۔ جناب غفران مآب کے امام باڑے میں قبلہ و کعبہ سید بندہ حسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھوائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں نماز صبح سے پہلے سپرد خاک کیے گئے۔

پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

بہت سے لوگوں کو خبر نہ ہوئی لیکن پھر بھی ہزاروں غم گساروں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جناب فضل احمد کیفؔ نے فی البدیہہ تاریخ رحلت کہی۔ ''جان بہ شب اوّل ذی قعدہ داد'' مجلس فاتحہ اور مجلس چہلم سید تقی صاحب کے امام باڑے میں ہوئی۔

چہلم کی مجلس میں جب نفیسؔ نے انیسؔ کی یہ رباعی پڑھی تو رونے کا کہرام مچا۔

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا　　تنہا تن ناتواں کفن میں ہوگا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے　　جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

قاضی عبدالودود مجلّہ ''معاصر'' پٹنہ شمارہ ایک میں مضمون ''مرگ انیسؔ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ اودھ اخبار کی خبر کے مطابق حضرت مرزا دبیرؔ میر انیسؔ کی میت پر جاکر بہت روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان، فصیح اللسان اور قدر دان کے اٹھ جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔

بقول صاحب یادگار انیسؔ (مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳۱) مرزا سلامت علی دبیرؔ نے ایک دردناک تاریخ میر باقر سوداگر کے امام باڑہ (چوک) کی مجلس میں پڑھی۔ چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے اشعار پڑھتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے جاتے تھے۔

آسمان بے ماہ کامل، سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ

پورے شعر سے ۱۸۷۴ء نکلتے ہیں۔ مصرعہ ثانی سے ۱۲۹۱ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے ''انیسیے'' سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے دبیرؔ کی یہ تاریخ لوح مزار انیسؔ پر کندہ کروائی۔

مشہور عالم دین میر محمد عباس نے میر انیسؔ ہی کی رباعی کے چوتھے مصرعے سے مرحوم کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

سالِ تاریخ بھی گویا کہ کلام ان کا ہے
''ہائے جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا''

(۱۲۹۱ ہجری)

ممتاز ادیب و خطیب جناب ضیاء الحسن موسوی نے میر انیس کی لاجواب تاریخ وفات انیس کے ہی مشہور مصرعے سے نکالی ہے۔

اپنے بارے میں حسن فرما گئے ہیں جو انیس اس سے بہتر سالِ رحلت اور ہوسکتا نہیں
اک صدی کے بعد بھی تاریخ دیتی ہے صدا ''جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں''

۹۵ ۱۷۷۹ء

''صدا'' کے ۹۵ اعداد انیس کے چوتھے مصرعے کے ۱۷۷۹ کے ساتھ ملائے تو سالِ وفات (۹۵+۱۷۷۹)=۱۸۷۴ء برآمد ہوگا۔

رُباعیاتِ انیسؔ کا اجمالی تذکرہ اور تجزیہ

رُباعی اگرچہ نام عربی ہے لیکن یہ صنفِ شاعری ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ رُباعی اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف سخن نہ ہوتے ہوئے بھی ممتاز صنف مانی جاتی ہے۔ یہ شاعری کی کٹر صنف اس وجہ سے بھی ہے کہ اسے صرف ایک بحر ہزج کے چوبیس اوزان میں اور چار مصرعوں میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عربی، فارسی اور اردو میں رُباعی کی ہیئت اور تشکیل ایک ہی طرح کی ہے لیکن دنیا کی دوسری زبانوں میں اس سے ملتی جلتی شکلیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ہندی میں ''چوپائی'' ملتی جلتی چیز ہے۔ ملک محمد جائسی کی ''پدماوت'' اسی چوپائی میں ہے۔ سنسکرت میں ''چار چرن'' بھی رباعی کے قریب ہے۔ کالی داس کا مشہور ڈرامہ ''میگھ دوت'' چار چرن میں لکھا گیا۔ پشتو کی ''چار بیتیہ'' بھی جو چار مصرعوں پر مشتمل ہے رباعی سے ملتی ہے۔ رباعی انگریزی اور فرانسیسی Quatrain کواٹرین سے صرف چار مصرعوں میں مشترک ہے جو ایک قسم کے Stanza ہے جس میں کُل چار مصرع ہوتے ہیں ورنہ مغربی زبانوں میں ایسی کوئی صنف سخن نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ دو بیتی، ترانہ اور چہار مصراع وغیرہ رباعی سے جداگانہ ہیں اور ان کے اوزان بحر ہزج کے چوبیس اوزان میں شامل نہیں۔

رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے اور فارسی سے عربی میں ''دو بیت'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ ڈاکٹر محمد وحید مرزا ''اردو رُباعیات'' میں لکھتے ہیں رباعی کا فارسی نام خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ ایرانی الاصل شعرا ہی کی جدتِ طبع اور قوتِ اختراع کا نتیجہ تھی۔ سوائے دو چار محققین فارسی اور اردو جن میں سلیمان ندوی بھی شامل ہیں تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی ایرانی الاصل ہے۔ ذیل میں چند معتبر حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ا۔ ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری اپنی شاہکار تصنیف ''تحقیق انتقادی اور عروض فارسی'' میں لکھتے ہیں کہ رباعی کا اصل وزن فارسی ہے اور عربی میں ایسا وزن نہ تھا، عربوں نے اسے ایرانیوں سے سیکھا ہے۔

''اصل این وزن فارسی است در عرب چنین وزنی بنوده و عرب ہا آن را از ایرانیان آموختہ اند۔''

۲۔ تاریخ ادبیات فارسی کی مستند تصنیف ''المعجم'' میں محمد قیس بن رازی جو ۶۲۰ہجری میں زندہ تھا لکھتا ہے کہ جو زحافات وزن رباعی میں موجود ہیں ان کا عربی اشعار میں وجود نہ تھا۔ ''زحافی کہ درین وزن (رُباعی) مستعمل است در اشعار عرب نہ بودہ است۔''

۳۔ ''مقیاس الاشعار'' میں اوجؔ لکھنوی نے لکھا کہ رباعی کا وزن پہلے کی عربی

شاعری میں نہ تھا۔

۴۔ ''حدائق البلاغت'' کے مصنف نے لکھا ''رباعی را شعرائے عجم اختراع نمودہ اند''

۵۔ ''تلخیص عروض و قافیہ'' میں مولوی علی حیدر طباطبائی نے لکھا ''رباعی اصل میں فارسی والوں کا نکالا ہوا ایک وزن ہے۔''

۶۔ محمود شیرانی نے ''تنقید شعر العجم'' میں لکھا ''اصناف شاعری میں رباعی اور مثنوی ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کی جاتی ہے۔''

۷۔ نجم الغنی ''بحر الفصاحت'' میں لکھتے ہیں ''عرب میں رباعی کا دستور نہ تھا یہ شعرائے عجم نے بحر ہزج سے نکالی ہے۔''

۸۔ پنڈت دتا تر کیفی نے ''کیفیہ'' میں لکھا کہ ''رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے۔''

۹۔ ''مخزن الفوائد'' کے مولف لکھتے ہیں کہ رباعی کے اوزان ایرانیوں نے بحر ہزج سے نکالے ہیں ''اوزان رباعی اہل عجم از بحر ہزج برآوردہ اند۔''

اسی طرح ''اردو رباعیات'' میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ''اردو رباعی'' میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ''رباعیات انیسؔ'' میں علی جواد زیدی اور درجنوں دیگر ارباب عروض وتنقید نے رباعی کو ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے رباعی کو عربی نژاد بتانے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ اپنی تصنیف ''خیام'' میں عوفی کی تصنیف ''لباب الالباب'' جلد دوم سے حنظلہ بادغیسی کی دو بیتیں لکھ کر اسے قدیم ترین رباعی کہہ کر رباعی کی ایجاد کو عربی ادب کی دین اور طاہریہ خاندان

(۲۰۵ ہجری۔ ۲۵۹ ہجری) کی پیدائش بتاتے ہیں۔ اگر ہم مولانا ندوی کے پیش کردہ چار مصرعوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ رباعی کے چوبیس اوزان میں نہیں اس لیے یہ پہلی رباعی نہیں ہوسکتی۔

یارم سپند اگرچہ بر آتش ہمی فگند
از بھرِ چشم تا نرسد مرد را گزند
او را سپند و آتش ناید ہمی بکار
با روی ہمچو آتش و باخال چون سپند

ہمیں معلوم ہے کہ مولانا شبلی نے ''شعرالعجم'' اور پروفیسر محمود شیرانی نے ''تنقید شعر العجم'' میں اس کی تردید کی ہے۔ شیرانی لکھتے ہیں۔ ''سید صاحب نے دوبیتیں تو عوفی کی تقلید میں لکھ دیا لیکن الفاظ ''جو رباعی کے وزن پر ہیں'' اپنی طرف سے اضافہ کردیا۔ حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر ہرگز ہرگز نہیں۔ رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔''

فارسی رباعی کی اولیت کا سہرا کس شاعر کے سر باندھا جائے اس ضمن میں بھی علمائے ادب میں اختلاف نظر آتا ہے۔

رباعی کی ایجاد کے سلسلے میں ہمیں دو قدیم روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سلطان یعقوب لیث صفار متوفی ۲۶۵ ہجری کے بیٹے کا قصہ جس میں جب وہ عید کے دن غزنین میں جوز بازی کررہا تھا جوز میں سات گوچی میں چلے گئے اور ایک جوز اچھل کر باہر آگیا اور جب کچھ ہی دیر میں وہ لڑک کر اندر چلا گیا تو لڑکے کی زبان

سے خوشی سے یہ الفاظ نکلے۔

غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو

سلطان یعقوب کو یہ مصرعہ پسند آیا اُس نے اس پر مصرعے لگانے کو کہا چنانچہ اس کے دربار کے دو شاعر ابو دلفؔ اور زینت الکعبؔ نے مل کر اس پر تین مصرع لگائے اس طرح پہلی رباعی وجود میں آئی۔ اس روایت کا ذکر ''تذکرۃ الشعرا'' ۸۹۳ ہجری میں دولت شاہ نے کیا۔

دوسری روایت میں ابو دلفؔ اور زینت الکعبؔ کی جگہ رودکیؔ کا نام لیا گیا ہے۔ قیس بن رازی نے اپنی تصنیف ''المعجم'' ۶۳۰ ہجری میں کسی لڑکے کے اخروٹ کھیلنے کا قصہ بیان کیا اور پھر اُسے رودکیؔ کے نام سے جوڑ دیا۔ ''تذکرۃ الشعرا'' دولت شاہ میں ابو دلفؔ اور زینت الکعبؔ اور سلطان صفار کے لڑکے کی روایت سے متاثر ہوکر سید سلیمان ندوی نے ''خیام'' میں نصیر الدین ہاشمی نے ''حضرت امجدؔ کی شاعری'' کے مقدمہ میں، عزیزؔ لکھنوی نے ''کلام رواں'' کے مقدمہ میں اور سید محمد عباس نے ''رباعیات انیسؔ'' کے مقدمہ میں رباعی کو عربی نژاد اور ابو دلفؔ اور زینت الکعبؔ کو پہلے رُباعی گو شاعر قرار دیا۔ حالانکہ تحقیقات سے ان روایتوں کی صحت کا علم نہیں ہوتا۔ ابو دلفؔ اور زینت الکعبؔ کا ذکر صفار کے دور کے شعرا میں نہیں ہوتا اور اِسی طرح رودکیؔ متوفی ۳۲۹ ہجری کا وجود بھی نہیں ملتا۔ یہ روایتیں محض فرضی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے جس کو ایران کے ممتاز ادیب و ماہر عروض پروفیسر ناتل خانلری نے لکھا ہے کہ رباعی کسی شاعر کی ذاتی

ایجاد نہیں بلکہ اس قسم کے اشعار مدت سے ایران میں رائج تھے دراصل رباعی قدیم ایران کے ترانہ کی ارتقائی صورت ہے۔ پروفیسر ناتل خانلری نے رُباعی کے وزن کے قدیم ہونے اور ایرانی ہونے کا مزید ثبوت دیتے ہوئے بتایا ہے کہ کسی بحر میں اس قدر اختیارات نہیں جس قدر ترانہ کی بحر میں ہے اس کی کئی شکلیں ایران میں رائج تھیں اور اس کا وزن کسی ایک شخص نے ایجاد نہیں کیا۔ رباعی ایک ارتقائی صنفِ سخن ہے۔

علمائے شعر و ادب کہتے ہیں کہ رباعی کا شروع میں نام دو بیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ''دوبیتی'' تھا چنانچہ قدیم عرب میں اسے ''دو بیت'' کہتے تھے۔ ابن خلدون نے بھی اِسے دو بیت لکھا ہے۔ بعض شاعروں نے اِسے چار مصرعوں پر مشتمل ہونے کی خاطر ہر مصرعہ کو علیحدہ شمار کر کے ''چار بیتی'' بھی کہا ہے۔ اِسے قدیم ایران میں ترانہ کہا گیا اور بقول شیخ محمد اقبال رباعی نام تیسری اور چوتھی ہجری میں پڑا۔ اِسے بعض مقامات پر جفتی اور چہار مصراعی بھی کہا گیا۔ عام رباعی میں اگر چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو اُسے غیر خصّی کہتے ہیں یہ مستحسن ہے لیکن اس کا رواج قدیم میں تھا اور آج کل یہ عمل متروک ہے جب تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ہو تو اُسے خصّی کہتے ہیں جو رباعی کی مقبول ترین قسم ہے اگر رباعی کے ہر مصرعہ کے ساتھ ایک ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کر دیں تو اُسے رباعی مستزاد کہتے ہیں۔

رباعی صرف بحر ہزج میں کہی جاتی ہے۔ ہزج لغت میں اچھی آواز اور گانے کی

آواز کو کہتے ہیں۔ بحر ہزج مفاعلین کی چار بار تکرار سے پیدا ہوتی ہے۔ عروضیوں نے بحرِ ہزج سالم سے دس ارکان نکالے اور رباعی کے لیے مخصوص کر دیے ہیں ان میں ایک سالم ہے اور باقی نو زحافات کے ساتھ آتے ہیں۔ رباعی کے ہر مصرعہ میں انھیں دس ارکان میں سے کوئی چار رکن آئیں گے۔ ''حدایق'' میں ابن قیس لکھتے ہیں امام حسن قطان نے رباعی کے چوبیں اوزان کو ترتیب میں لانے کے لیے دو شجرے اخرم اور اخرب تیار کیے۔ چنانچہ رباعی کے چار مصرع ان میں سے کسی ایک وزن پر لکھے جاسکتے ہیں۔ حکیم محمد نجم الغنی رام پوری نے ''بحر الفصاحت'' میں نقل کیا ہے کہ اس آزادی کے باعث تقریباً تراسی ہزار شکلیں پیدا ہوسکتی ہیں جن کے اوزان اور ترتیب مصاریع میں فرق ہوگا۔ اخرب کے تمام اوزان مفعول سے اور اخرم کے تمام اوزان مفعولن سے شروع ہوتے ہیں۔

	اخرب	اخرم
۱	مفعول مفاعیلن مفعول فعول	مفعولن مفعولن مفعولن فاع
۲	مفعول مفاعیلن مفعول فعل	مفعولن مفعولن مفعولن فع
۳	مفعول مفاعیلن مفعول فاع	مفعولن مفعولن مفعولن فعول
۴	مفعول مفاعلین مفعولن فع	مفعولن مفعولن مفعول فعل
۵	مفعول مفاعیلن مفاعیلُ فعول	مفعولن مفعول مفاعلین فاع
۶	مفعول مفاعیلن مفاعیل فعل	مفعولن مفعول مفاعلین فع
۷	مفعول مفاعیلن مفاعلین فاع	مفعولن مفعول مفاعیلُ فعول
۸	مفعول مفاعیلن مفاعلین فع	مفعولن مفعول مفاعیلُ فعل

۹	مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع	مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع
۱۰	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع	مفعولن فاعلن مفاعیلن فع
۱۱	مفعول مفاعیل مفاعیل فعول	مفعولن فاعلن مفاعیل فعول
۱۲	مفعول مفاعیل مفاعیل فعل	مفعولن فاعلن مفاعیل فعل

اردو رباعی پر گفتگو کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ فارسی رباعی گوشعرا اور فارسی رباعی کے ارتقا پر روشنی ڈالی جائے۔ فارسی شاعری کا گہرا اثر اردو شاعری پر رہا چنانچہ فارسی رباعی بڑی حد تک اردو رباعی پر اثر انداز رہی لیکن اس کے ہوتے ہوئے بھی اردو رباعی بہر حال برصغیر کے حالات، خصوصیات اور تغیرات کی عکاسی بھی کرتی رہی۔ فارسی کا پہلا رباعی گو شاعر کون ہے اس بارے میں علمائے شعر وادب میں اختلاف ہے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنی تالیف ''خیام'' میں بایزید بسطامی کو پہلا رباعی گو شاعر، رودکی کو دوسرا اور ابوشکور بلخی کو تیسرا رباعی گو شاعر تسلیم کیا ہے جب کہ پروفیسر محمود شیرانی نے ''آفرین نامہ'' ۳۳۶ ہجری کے مصنف ابو شکور بلخی جن کے حالات عوفی کی ''لباب الالباب'' میں ملتے ہیں پہلا رباعی گو شاعر قرار دیا ہے۔ ابوشکور بلخی سامانی عہد کا ممتاز شاعر تھا جس سے یہ رباعی منسوب ہے۔

ای گشتہ من از غم فراوانِ تو پست
شد قامتِ من ز دردِ ہجرانِ تو شست
ای شستہ من از فریب دستانِ تو دست
خود ہیچ کسی بسیرت و شانِ تو ہست

رودکیؔ جو سامانی دور کا مشہور شاعر اور بلخیؔ کا ہم عصر تھا المعجم اور ''معیار البلاغت'' کے مصنفین کے مطابق پہلا رباعی گو شاعر تھا لیکن علمائے تحقیق نے رودکیؔ کے کلام کو مشکوک بتایا ہے۔ چنانچہ رودکیؔ کے دیوان میں چھ رباعیات ملتی ہیں وہ سب مشکوک اور الحاقی ہیں۔

چشم زغمت بہر عقیقی کہ بسفت
بر چہر ہزار گل ز برازم بشگفت
رازی کہ دلم ز جان ہمی داشت نہفت
اشکم بزبان حال با خلق بگفت

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ رباعی ایک کٹر صنف شاعری ہے چنانچہ اس ہزار برس کے عرصے میں تین چار ہی فارسی رباعی کے عظیم شاعر پیدا ہوئے جن میں عمر خیامؔ، ابوسعید ابوالخیرؔ، عطارؔ اور سرمدؔ کے نام سرِفہرست ہیں۔ اگرچہ مولانا رومؔ جو صرف اپنی مثنوی معنوی کے باعث شہرت رکھتے ہیں تقریباً آٹھ سو رباعیات کے خالق ہیں۔ کلیات سعدیؔ شیرازی میں ایک سو ستّر سے زیادہ رباعیات نظر آتی ہیں۔ حافظؔ شیرازی، جامیؔ وغیرہ کے دواوین میں رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سحابیؔ استر آبادی جو صفویہ دور کے ممتاز شاعر تھے انھوں نے سترہ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں لیکن ان کا رباعیوں کا مجموعہ الگ سے شائع نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی رباعیات ضائع ہوگئیں اور اب کئی رباعیات دوسری کتابوں میں نظر آتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ فارسی کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے کم و زیادہ رباعیات لکھیں اور اِسی کا تتبع کرتے ہوئے برصغیر میں مسعود سعدؔ سلمان

لاہوری، امیر خسرو دہلوی، بوعلی قلندر اور سرمد نے رباعیات کے گلشن کو سرسبز رکھا۔ فارسی رباعی کا شہرہ آفاق شاعر عمر خیام جس کی رباعیوں کے ترجمے تقریباً دنیا کی ہر پیش رفتہ زبان میں ہو چکے ہیں اور انگلینڈ کے شاعر فیٹز جیرالڈ کے انگریزی ترجمہ نے ان رباعیات کو فنا ناپذیر شہرت بخشی۔ عمر خیام دور سلجوقیہ کا ممتاز فلاسفر، مورخ، نجومی اور فقی تھا عمر خیام کو اس کی زندگی میں رباعی گو شاعر کی حیثیت سے شہرت نہیں ملی۔ ڈاکٹر علی دشتی نے عمر خیام سے منسوب تقریباً تین ہزار رباعیات کی کاٹ چھانٹ کر کے صرف ایک سو اناسی (۱۷۹) رباعیات کو حتمی طور پر خیام سے جوڑا ہے۔ اگرچہ خیام کی بیشتر خمریہ رباعیات کی شہرت ہے لیکن دراصل خیام نے فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا بھی ایک اچھا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ فارسی کے عظیم رباعی گو شعرا میں ابوسعید ابوالخیر کا شمار ضروری ہے۔ ابوالخیر صوفی تھے اور عہد دیلیمہ کے رباعی گو تھے ان کی رباعیات تصوفی اقدار سے منزہ ہیں اس کے علاوہ انھوں نے عشقیہ، فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا عمدہ ذخیرہ جو ایک ہزار رباعیوں سے زیادہ ہے یادگار چھوڑا ہے۔ اسی طرح دوسرے عظیم شاعر فرید الدین عطار نے اپنی شاہکار مثنویوں کے ساتھ ساتھ تقریباً چھ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں ان کی تصنیف مختار نامہ میں پانچ ہزار سے زیادہ رباعیاں نظر آتی ہیں، جو عموماً مذہبی، اخلاقی، اعتقادی، عشقیہ اور فلسفیانہ مضامین سے لبریز ہیں۔ اگرچہ اس مختصر مقدمہ میں تمام فارسی رباعی گو شعرا کا ذکر ممکن نہیں لیکن ناانصافی ہوگی اگر برصغیر ہند کے نامور صوفی شاعر سرمد کی رباعیات کا ذکر نہ کیا جائے۔ سرمد کاشان ایران سے ہندوستان آئے اور شاہد اور مشہود میں گرفتار ہو کر عشق میں اسیر ہوئے۔ ان کو ایک

ہندو لڑکے سے محبت ہی نہیں بلکہ دارا شکوہ سے خاص اُنس تھا جس کی حسادت نے عالمگیری فرمان سے انھیں پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا۔ سرمدؔ کی اغلب رباعیات صوفیانہ، مذہبی عشقیہ، اخلاقی اور سماجی ہیں۔ ہم سرمدؔ کی ایک تصوّفی رباعی پر فارسی رباعی کے ذکر کو تمام کر کے اردو رباعی کا دفتر کھولتے ہیں۔

این ہستیِ موہوم حباب است ببین
این بحرِ پُرآشوب سراب است ببین
از دیدۂ باطن بہ نظر جلوہ گر است
عالم ہمہ آئینہ و آب است ببین

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطبؔ شاہ متوفی ۱۰۲۰ ہجری اردو کا پہلا رباعی گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے جس کے دیوان میں (۳۹) اُنتالیس رباعیاں شامل ہیں۔ دوسرا رباعی گو شاعر جس کی دو رباعیاں ملتی ہیں ملک الشعرا ملاّ وجہیؔ جس کی تصنیف ''سب رس'' محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے پچیس سال بعد لکھی گئی۔ قطبؔ شاہ کی اکثر رباعیات عشقیہ مضامین سے سجی ہیں۔ ہم اس مقام پر محمد قلی قطب شاہ اور ملاّ وجہیؔ کی ایک ایک رباعی پیش کرتے ہیں۔

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بستی سے ہے عشق کوں چال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دوجا کوئی
کیوں پاوے جگت صفحہ میں کوئی تیری مثال

(قلی قطب شاہ)

دنیا کے سو لوگاں ہیں وفا دستانیں
دہن دیکھے جفا بازجفا دستانیں
بے مہری آدم ہے اس سوں اس کی
دل باندنے میں کچھ دغا دستانیں
(ملا وجہی)

ارض دکن کے قدیم رباعی گوشعرا میں سراج اورنگ آبادی کے کلیات میں پندرہ رباعیات ملتی ہیں جن میں نو(۹) اردو اور چھے (٦) فارسی میں ہیں۔ سراج کے ہم عصر ولی دکنی جو شاعری کے باوا آدم کے نام سے مشہور ہوئے چھے رباعیوں کے خالق ہیں۔ اردو رباعی کی ابتدا اگرچہ دکن سے ہوئی لیکن رباعی دراصل شمالی ہندوستان میں پروان چڑھی۔ دبستان دہلی نے رباعی کو اپنے آغوش میں لیا اور اسے شاعری کی دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ ترقی دی اگرچہ اُس دور میں بھی رباعی گوشاعر کم ہی تھے لیکن اُس دورِقدیم کے عظیم شعرا جن میں میر تقی میر، رفیع سودا، خواجہ میر درد، اور میر حسن وغیرہ نے رباعی کو رونق بخشی۔ خواجہ میر درد متوفی ۱۱۹۹ہجری نے اگرچہ اردو میں صرف بتیس (۳۲) رباعیات لکھیں لیکن ان کی فارسی رباعیات کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ خواجہ درد صوفی منش شاعر تھے ان کی رباعیات میں مذہبی، تصوفی، اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین کی کثرت ہے۔

اے درد اگرچہ مے میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں ولے اہل تامل خاموش
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

میر تقی میر متوفی ۱۸۰۱ء کی رباعیوں کی تعداد سوا سو سے زیادہ نہیں۔ اغلب

رباعیاں عشقیہ اور مذہبی ہیں لیکن خدائے سخن میرؔ کی رباعیوں میں بھی کم و بیش رباعیات کے فلسفیانہ، اخلاقی اور اعتقادی مضامین کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوں نابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہمؔ نے

مرزا محمد رفیع سوداؔ متوفی ۱۱۹۵ ہجری نے ایک سو سے زیادہ رباعیات لکھی ہیں چنانچہ ان کے دیوان میں اسّی (۸۰) کے قریب رباعیاں ملتی ہیں۔ کچھ رباعیات کیفی چریا کوٹی کی ''جواہر سخن'' اور کچھ شیخ چاند کی ''سودا'' میں موجود ہیں۔ یہ رباعیات مذہبی، اعتقادی، عشقیہ، تصوّفی کے علاوہ تعلّی اور ہجو کے مضامین سے بھری ہیں۔

سوداؔ ہے شعر میں بڑائی مجھ کو
تشریف سخن عرش سے آئی مجھ کو
عالم تجھے اس فن میں پیمبرؐ سمجھا
پوجا جہلا نے بخدائی مجھ کو

میر حسن متوفی ۱۲۱۰ ہجری، خدائے سخن میر انیسؔ کے دادا اور عمدہ مثنوی سحر البیان کے خالق نے بھی مختلف رائج الوقت موضوعات پر رباعیاں کہیں جن میں تصوفی، عشقی، اخلاقی، مذہبی اور اعتقادی مضامین ملتے ہیں۔

کیا وحش و طیور و انس و جاں عالم میں
جو ہیں سو حسنؔ وہ روتے ہیں اس غم میں
روشن نہ سمجھ ضریح پر قندیلیں
جلتے ہیں یہ دل حسینؑ کے ماتم میں

میر سوزؔ متوفی ۱۲۱۳ھ ہجری نے اپنے دیوان میں چند رباعیات لکھی ہیں۔

واعظ مجھے کعبہ کی بتاتا ہے راہ
کرتا ہے صنم کدہ سے مجھ کو آگاہ
میں کب مانوں ہوں ایسے شیطاں کا کہا
لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ

میر عبدالحیٔ تاباںؔ متوفی ۱۲۰۰ ہجری نے چودہ (۱۴) رباعیات، جعفر علی حسرتؔ دہلوی متوفی ۱۲۱۷ ہجری نے (۵۰۰) نظیرؔ اکبر آبادی نے (۲۲)، مصحفیؔ متوفی ۱۲۴۰ ہجری نے (۱۶۵)، سعادت یار خاں رنگینؔ متوفی ۱۲۵۱ ہجری نے کئی سو رباعیات تحریر کیں انھوں نے صرف الٰہی بخش معروف کی ہجو میں (۱۰۱) رباعیاں لکھیں۔

معروف یہ چاہتا ہے کعبہ جا کر
حج کرکے کہلائے حاجی آ کر
سُن کر یہ مقصد اس کا رنگینؔ نے کہا
بلّی چلی حج کو لاکھ چوہے کھا کر

اسی طرح فغاں نے (۱۱)، ذوق نے (۱۷)، داغ نے (۴۱)، شاد نے (۹۵)، رشید نے (۹۹) رواں نے (۱۷۵)، محروم نے (۲۲۵)، جرأت نے (۱۲۵)، مومن متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے (۱۲۹)، مرزا غالب متوفی ۱۲۸۵ ہجری نے اردو میں (۱۶) فارسی میں (۱۳۰) امام بخش ناسخ متوفی ۱۲۵۴ ہجری نے (۶۴)، امداد علی بحر لکھنوی متوفی ۱۳۰۰ ہجری نے (۳۰)، منیر شکوہ آبادی متوفی ۱۲۹۷ ہجری نے (۸۰)، سید محمد خان رند متوفی ۱۲۷۴ ہجری نے (۱۵)، میر وزیر علی صبا متوفی ۱۲۷۱ ہجری نے (۳)، مظفر علی اسیر متوفی ۱۲۹۹ ہجری نے (۱۱)، آغا حسن امانت نے (۲۰)، عشق لکھنوی نے (۱۹۰)، میر انیس لکھنوی نے (۵۷۹)، امیر مینائی متوفی ۱۹۰۰ء نے (۴۱)، الطاف حسین حالی نے (۱۲۵)، فانی نے (۲۰۰)، فراق نے (۳۵۱)، خواجہ دل نے (۵۰۰) اور مہاراجہ کشن پرشاد نے (۴۵۰)، جوش نے (۸۰۰) باوا مغموم نے ایک ہزار اور دبیر نے (۱۳۲۳) رباعیات لکھیں۔

اردو ادب میں سب سے زیادہ رباعیات شاہ غمگین دہلوی متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے لکھی۔ اگر چہ شاہ غمگین نے ان رباعیات کو ظاہر نہیں کیا تھا اور مرزا غالب سے بھی ایک خط میں ان رباعیات کو چھپا رکھنے کا وعدہ لیا تھا لیکن بہر حال وہ مجموعہ رباعیات دریافت ہوا چنانچہ ''مکاشفات الاسرار'' جو رباعیات کا مجموعہ ہے، اس میں اٹھارہ سو رباعیات ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً سو رباعیات ان کے غزلو ل کے مجموعہ ''مخزن الاسرار'' میں موجود ہیں چنانچہ شاہ غمگین نے اردو میں سب سے زیادہ یعنی انیس سو (۱۹۰۰) رباعیاں لکھی ہیں جن میں متصوفانہ، خمریہ، عشقیہ

اور اخلاقی مضامین نظم ہوئے ہیں۔

میدانِ رباعی سرزمین شعر کا میدانِ جنگ ہے جو اکثر شاعروں کی قتل گاہ ثابت ہوا ہے۔ بحر ہزج کے اطراف کی چوبیس (۲۴) گھاٹیوں پر پھیلے ہوئے اس سرسبز میدان میں معمولی، کمزور اور بوُدے شاعروں کے لاشوں کے ڈھیر تو زیادہ نظر آتے ہی ہیں لیکن اِسی میدان میں عظیم فنکاروں کے پاؤں بھی پھلستے نظر آتے ہیں۔ غالبؔ جیسے نامور شاعر اور محتاط استادِ فن جنھوں نے اردو میں کُل سولہ (۱۶) رباعیات کہی ہیں اسی میدان میں ٹھوکر کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ایک رباعی کا مصرعہ:

ع: ''دل رُک رُک کے بند ہوگیا ہے غالب'' ایک سبب خفیف ''رُک'' کے اضافہ کی وجہ سے رباعی سے خارج ہوگیا۔ اِسی طرح علامہ اقبالؔ کی اغلب رباعیاں، رباعی کی بحر میں نہیں ہیں اور ہم ان کو رباعی نہیں کہہ سکتے۔ اگر چہ مولوی سلیمان ندوی کے ادبی فتوے اور ڈاکٹر عندلیبؔ شادانی کی غیر معتبر تفسیر نے انھیں بابا طاہر عریاںؔ کی دوبیتوں کے وزن پر کہی گئی رباعیوں کا جواز دینے کی ناکام کوشش کی لیکن کوئی خریدار پیدا نہ ہوا کیوں کہ بابا طاہرؔ کی دوبیتوں کو ایرانی ادیب محقق اور شاعر نے رباعی نہیں کہا۔ ہمارے کہنے کا حاصل صرف یہ ہے کہ رباعی صرف بحر ہزج کے چوبیس (۲۴) اوزان ہی میں کہی جاسکتی ہے۔ اگر چہ ممکن ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعوں میں ہر مصرعہ الگ الگ وزن پر ہو لیکن تمام مصرعے انہی چوبیس (۲۴) اوزان میں ہوں گے۔ اسی لیے رباعی کو شاعری کی کٹر صنف

بھی کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا جھول قابل قبول نہیں۔ رباعی کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں اسی لیے تو جوشؔ ملیح آبادی نے برج لال رعناؔ کے مجموعہ رباعیات ''رعنائیاں'' میں لکھا۔ ''رباعی ایسی کمبخت چیز ہے جو چالیس پچاس برس کی مشاقی کے بعد کہیں جا کر قابو میں آتی ہے۔ مسلّم ہے کہ رباعی لکھنے کے لیے کافی مشقِ سخن اور پختگی عمر کی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر کی زندگی میں رباعی نویسی کا دور آخر میں ہوتا ہے۔''

خالق اور مخلوق کے اَن گنت فرقوں میں ایک فرق نقص اور کمال بھی ہے۔ خالق کامل اور مخلوق ناقص ہوتی ہے۔ اردو ادب کے کئی عظیم شعرا صرف ایک دو درجن رباعیات کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس سنگلاخ زمین میں ان سے مزید چلا نہ گیا۔ شاید علمائے ادب نے اسی لیے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کو خدائے سخن کا خطاب دیا کہ میر انیسؔ نے (۵۷۹) اور مرزا دبیرؔ نے (۱۳۲۳) رباعیات کہیں جو آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان میں کوئی فنّی نقص تو دور کی بات ٹھہری نقصِ مضمون کا بھی جھول نہیں۔

چند سال قبل راقم نے مرزا دبیرؔ کی رباعیات کو ایک مفصّل مقدمہ اور مکمل تقسیم بندی کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان میں شائع کیا جو مورد پسند علمائے شعرو ادب قرار پایا۔

علامہ شبلی نعمانی نے موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں رباعیات کے زیرِ عنوان میر انیسؔ کی تیرہ (13) رباعیات پیش کی ہیں۔ اس حصّہ میں دبیرؔ کی کوئی رباعی موجود نہیں۔ شبلی نعمانی

نے یہ رباعیات نولکشور لکھنؤ سے شائع شدہ انیسؔ کی کتب مراثی سے حاصل کی ہوں گی یا رباعیات انیسؔ دبیرؔ مونسؔ وغیرہ کا مجموعہ رباعیات جس میں (960) رباعیات ہیں جو 1901 میں یوسفی پریس دہلی سے شائع ہوا تھا حاصل کی ہوں گی۔ چونکہ انیسؔ کی رباعیات کا پہلا مجموعہ موازنہ کی اشاعت کے بعد 1909 میں حیدرآباد دکن سے سید محمد حسن بلگرامی نے صرف دو صفحہ کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا تھا جس میں ایک سو پینتالیس (145) رباعیات ہیں۔ علامہ شبلیؔ نے بہت ہی مختصر انیسؔ کی رباعیات پر اظہار خیال کیا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

''صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے موزوں چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیامؔ، سحابیؔ، سلطانؔ، ابوسعیدؔ، ابوالخیرؔ نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، انھوں نے رباعی کے سوا، تمام عمر میں اور کچھ نہ لکھا۔

اردو شاعری میں چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے اس لیے رباعیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ سوداؔ نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیاں لکھیں، لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہیں۔

میر انیسؔ کی رباعیوں کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی میں کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہیں جن میں صرف مضمون بندی یا کوئی صنعت ہے۔''

یہ میر انیسؔ کے کلام کی تاثیر ہے کہ ان چند رباعیات کے بعض شعر اور مصرعے ضرب المثل یا مقولوں کی شکل میں مشہور ہوئے۔

ع کانٹوں کو ہٹا کے پھول چُن لیتا ہوں

ع جو ظرف کے خالی ہے صدا دیتا ہے

ع دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

ع دامن میں ہوا کے بجز خاک نہیں

ع مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں

ع جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

ع جس طرح چراغ آگے نابینا کے

ع نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے

ع اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر

ع کہتی ہے کہیں شکر کے شیریں ہوں میں

ع خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

ع ہو گوشہ نشیں مردمِ دیدہ کی طرح

ع خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

ع جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

ع ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

ع ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

ع کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

ع گردش میں فلک کا بھی ستارہ دیکھا

ع ہے بحر کا کوزے میں سمانا مشکل

ع عادت برسنے کی گرجنے کی نہیں

ع انصاف فلک! تیری قلم رو میں نہیں

ع کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

ع مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

میر انیسؔ جتنی توجہ مرثیے پر دیتے تھے اتنا وقت اور دقّت سلام اور رباعیات پر صرف نہیں کرتے تھے۔ کئی رباعیات تو مجلس اور محافل میں انیسؔ نے فی البدیہہ کہی تھیں۔ میر انیسؔ کی پختہ عمر کی رباعیوں میں اس درجہ سلاست شگفتگی کمال او راخلاقی اقدار ہیں کہ وہ ضرب المثل بن چکی ہیں اور کئی رباعیوں کے مصراع زبان زد عام ہوگئے ہیں۔ شاید اسی لیے میر انیسؔ نے کہا تھا:

گھٹی عمر مشق سخن بڑھ گئی بڑھاپے نے ہم کو جواں کردیا

رباعی میں جذبات سے زیادہ تجربات کا عمل دخل ہوتا ہے اسی لیے رباعی فکر وتفکر کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جذباتی اشعار کی طرح اس کا اثر تند وتیز اور کوتاہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی تاثیر سانچے کوئلے کی آگ کی طرح دھیمی مگر دراز مدت تک ذہن کو گرماتی اور روشن کرتی ہے اور پھر مشکل ہی سے ذہن سے نکلتی ہے شاید اسی لیے نظموں میں رباعی سب سے زیادہ حافظے میں محفوظ رہتی ہے۔

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مراثی سلام اور رباعیات میں ایسے مقامات بھی نظر آتے ہیں جو بلا ارادہ توارد کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں یا ان کو ایک دوسرے کا جواب یا جواب الجواب کہا جاسکتا ہے۔ رباعیات متحد المضمون ہونے کی وجہ سے انیسؔ اور

دبیرؔ کی رباعیوں میں کچھ مرتبین کو دھوکا ہوا، جب کہ دونوں اساتذہ نے ایک ہی مضمون پر رباعیات کہی تھیں۔ بہر حال ہم نے حسنِ یوسف کو بازارِ مصر میں پیش نہیں کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا کلام پیش کر کے یہ بتایا جاتا کہ یہ دونوں عظیم شاعر آپ اپنی مثال ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا دبیرؔ کے کلام میں انیسؔ کے کلام کا رنگ نظر آتا ہے لیکن اس کے برعکس میر انیسؔ کے کلام میں دبیر کے کلام کی چھاپ نہیں اس لیے ہمیں دبیرؔ کے کلام کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔ انیسؔ اور دبیرؔ کے صرف سلاموں اور مرثیوں میں مضامین کا ٹکراؤ نہیں بلکہ ان دونوں عظیم شاعروں کی رباعیات میں بھی مضامین کی تکرار نظر آتی ہے۔ ہم اس موقع پر میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی چند رباعیوں کو تقابل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

میر انیسؔ	مرزا دبیرؔ
وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ	دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ	کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانا دیکھا
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے	برسوں رہا جن کے سر پر چترِ زریں
اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ	تربت پہ ان کی شامیانہ دیکھا
مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے	گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے	ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر	اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش
میں نے بھی جان دے کے پایا ہے تجھے	جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا اک دن پیوند خاک ہونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا تنہا تنہا لحد میں سونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیسؔ اس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیرؔ
ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

راحت کا مزہ عدوے جانی نکلا کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا
دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا باقی سامانِ عیش فانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہِ دنیا پہ انیسؔ چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دبیرؔ
نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا اتنا بھی نہ اس کنویں میں پانی نکلا

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے گنجینہ جسے ربِّ ہدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جاہ دیتا ہے وہ دادِ عطیہ خدا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے دریا میں ہیں موتی وہ صدا دیتا ہے

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں شیرانِ مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں گونجیں گے ڈکاریں گے جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہ سنجی بلبل ہوں خلاقِ مضامیں تو سبھی ہیں لیکن
کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک نکل چلو جلد انیسؔ
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا
گہہ عدل گہے ظلم گہے جور ہوا
اللہ وہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیرؔ
کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

مجلس میں عجب بہارِ چشمِ تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

اشکِ غمِ شبیرؑ دُرِ یکتا ہے
ہر دیدۂ حق بیں سے یہ دُر پیدا ہے
بے اشکِ عزا آبروئے چشم ہے خاک
پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

کس منہ سے کہوں لائقِ تحسیں ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کبھی شکر کے شیریں ہوں میں

شیریں سخنی پہ موردِ تحسیں ہوں
واللہ نہ عیب بیں نہ نکتہ چیں ہوں
سکتے میں ہے میرے سخنِ شیریں سے
ہے شکر کا کیا منہ جو کہے شیریں ہوں

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفےٰؐ میں آئے
اس بزم میں آئے جو محبانِ علیؑ
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

احسان نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفےٰؐ میں آئے
گرمی ہی کے دن تھے کہ تمھاری خاطر
شبیرؑ وطن سے کربلا میں آئے

غم ہے ہمیں لیکن انھیں خوشحالی ہے رو لے یہ غم بادشہؑ عالی ہے
پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے اور مرگ کسی نے بھی نہیں ٹالی ہے
اس عشرہ میں تھے شریک مجلس جو لوگ اللہ کرے غریق رحمت سب کو
اس سال انھیں کی بس جگہ خالی ہے اس بزم میں کس کس کی جگہ خالی ہے

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے ہرچند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے پر آخر عزادار شہؑ دیں ہے آواز
یہ ہے غمِ شبیرؑ کی تاثیر انیسؔ نکلے نہ اگر کنج لحد سے تو بجا
آواز قلق سوگ نشیں ہوتی ہے ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

داغ غم شہؑ سینے میں گل بوٹے ہیں مجلس میں گل اشک عزا لوٹے ہیں
کیا کیا گہر بیش بہا لوٹے ہیں ثابت ہے ولا شیشہ دل ٹوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیسؔ یاں اشک ریائی کا بھی ہے مول بہشت
اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں موتی سچے ہیں جوہری جھوٹے ہیں

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر اب نامِ خدا زبان پہ جاری کر
دنیا سے انیسؔ اب تو بیزاری کر غافل دمِ آخری تو ہشیاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سفید بالوں کی سیاہی پہ سفیدی آئی
ہے صبحِ اجل کوچ کی تیاری کر لے صبح ہوئی کوچ کی تیاری کر

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے پروانہ کو دھن شمع کی لو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے عالم میں ہر اک کو تگ و دو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے قد سرو کو گل کو رنگ و بو دیتا ہے
انساں کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل بے کار تصنع ہے تشخص بے سود
جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے عزت وہی عزت ہے جو تو دیتا ہے

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں خاصہ بھی مری طرح سیہ کار نہیں
جز تیرا کرم کچھ اور درکار نہیں یہ مشق گنہ کسی کو زنہار نہیں
مجھ سا نہیں عالم میں گنہگار اگر گر خوف برابری نہو صاف کہوں
تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں مجھ سا عاصی خدا سا غفار نہیں

حاصل جو شہ دیں کی حضوری ہوجائے حاصل جو آقا کی حضوری ہوجائے
لاکھوں منزل سقر سے دوری ہوجائے عصیاں کی تیرگی سے دوری ہوجائے
قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت اے صل علیٰ مجلس پرنور حسین
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہوجائے ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہوجائے

جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہونچے جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہونچا
بے شبہ و شک وہ کربلا تک پہونچے معراج ہوئی عرش عُلا تک پہونچا
اللہ رے عزّ و شانِ زوّارِ حسینؑ کیا قرب ہے اللہ کا اللہ اللہ
پہونچے جو حسینؑ تک خدا تک پہونچے پہونچا جو حسینؑ تک خدا تک پہونچا

درد و الم ممات کیوں کر گزرے برزخ کی صعوبات کٹے گی کیوں کر
یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے تنہائی میں اوقات کٹے گی کیوں کر
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیسؔ غفلت میں دبیرؔ صبح پیری ہوئی شام
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے دن رات ہوا رات کٹے گی کیوں کر

دل کو مرے شغل غم گساری کا ہے بندوں پہ کرم حضرت باری کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے مقدور کسے شکر گزاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرّہ دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے ثمرہ یہ نہالِ خاکساری کا ہے

میر انیسؔ کی رباعیات کتنی تھیں اور کتنی ضائع ہوگئیں یا دوسروں کے نام منسوب ہوگئیں اس کی صحیح تعداد معلوم کرنا آج کے محقق کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ ہم نے دیوان رباعیاتِ انیسؔ میں (579) رباعیات جمع کی ہے اور تعداد کے لحاظ سے یہ پہلا مجموعۂ رباعیات ہے جس میں سب سے زیادہ رباعیاں شامل ہیں۔ رباعیات انیسؔ مرتبہ علی جواد زیدی میں اگرچہ تعداد (583) ہے لیکن اس

میں بعض قطعات اور بعض رباعیاں دبیر اور مونس سے منسوب ہیں۔ ہم یہاں رباعیات انیس کے سن طباعت کو پیش نظر رکھ کر مجموعوں کی فہرست رقم کرتے ہیں۔

شمارہ	کتاب کا نام	مصنف مرتب	سن طباعت	مطبع	تعداد
1-	مراثی انیس (چھ جلدیں)	——	1885	نولکشور، لکھنؤ	تقریباً چار سو رباعیات
2-	مجموعۂ رباعیات	سید علی حسین	1901	یوسفی پریس ۔ دہلی	
3	رباعیات انیس (دو بار شائع ہوئیں)	سید محمد حسن بلگرامی	1909	لکھنؤ	(145) رباعیات ہیں
4-	انیس الاخلاق	سید محمد عباس	1939	لکھنؤ	(95) رباعیات ہیں
5-	رباعیات انیس	سید محمد عباس	1947	لکھنؤ	(514) رباعیات ہیں
6-	مراثی انیس	——	1924	نظامی پریس بدایوں	(98) رباعیات ہیں
7-	رباعیات انیس	حامد حسین		نظامی پریس لکھنؤ	(192) رباعیات ہیں
8-	مراثی انیس	محمد فیضی	1956	لاہور	(282) رباعیات ہیں
9-	مراثی انیس	—	1958	نولکشور لکھنؤ	(278) رباعیات ہیں
10-	مراثی انیس	—	1961	بک لینڈ کراچی	(36) رباعیات ہیں
11-	مراثی انیس	—	1967	غلام علی لاہور	(113) رباعیات ہیں
12-	رباعیات انیس	علی جواد زیدی	1984	پی پرنٹرز ۔ دہلی	(578) رباعیات ہیں
13-	دیوان رباعیات انیس	سید تقی عابدی	2012	شاہد پبلیکیشنز ۔ دہلی	(579) رباعیات ہیں

رباعیات کی ان کتابوں اور مجموعوں کے علاوہ میر انیسؔ کی رباعیات مختلف رسالوں، انیسؔ نمبروں اور مضامین میں کم وبیش شائع ہوتی رہی ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل انیسؔ کی رباعیات اسکولوں اور کالجوں کے اردو نصاب میں موجود تھیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مرتبین نصاب نے انیسؔ کی رباعیات سے اجتناب کر کے اردو ادب وتہذیب پر ظلم اور اردو شعریت پر مجرمانہ رویہ روا رکھا ہے۔

میر انیسؔ کی رباعیات کا پہلا جامع مجموعہ سید محمد عباس لکھنوی نے ''مجموعۂ رباعیات'' میر انیسؔ کے نام سے اگست 1947ء میں شائع کیا جس میں پانچ سو چودہ (514) رباعیات موجود ہیں۔ سب سے پہلے میر انیسؔ کی کچھ رباعیاں مراثی انیسؔ کی جلدوں میں طبع ہو چکی ہیں اس کے بعد ''مجموعہ رباعیات خاندانِ انیسؔ'' کو اثنا عشری پریس لکھنؤ نے شائع کیا۔ سید محمد حسن بلگرامی نے ''رباعیاتِ انیسؔ'' کے نام سے 1909 میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ میر انیسؔ کی اخلاقی رباعیات کو ''انیس الاخلاق'' کے نام سے 1938 میں شائع کیا گیا۔ علی جواد زیدی نے 1985 میں (583) رباعیات جن میں کچھ قطعات بھی شامل ہیں ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ دہلی سے شائع کیا۔

سید محمد عباس نے انیسؔ کی رباعیات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مزید خانوں میں جگہ دی (1) مذہبی رباعیات جن میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، رثائی اور اعتقادی مضامین۔ (2) اخلاقی رباعیات میں وعظ و پند، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال بد سے اجتناب کی ضرورت کو پیش کیا گیا ہے۔

(3) ذاتی رباعیوں میں میر انیسؔ کے حسب نسب، فن، شخصیت، تعلّی وغیرہ پر مضامین ملتے ہیں۔

میر انیسؔ کے نواسے میر عارف کے فرزند سیّد یوسف حسین نے قلمی خاندانی مستند نسخوں سے مطبوعۂ رباعیات میں جو اغلاط نکلیں اُن سے اس دیوان میں استفادہ کیا۔ خود موصوف لکھتے ہیں کہ مراثی انیسؔ مطبوعہ نولکشور پریس کی ایک جلد اوّل میں (81) رباعیات ہیں جن میں سے (19) رباعیاں غلط ہیں۔ ہم یہاں نمونے کے طور پر چند غلط مصرع اور اس کے مقابل صحیح مصرع درج کرتے ہیں جو مستند ہیں:

غلط مصراع	صحیح اور مستند مصراع
ع: بے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے	ع: لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
ع: یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے	ع: یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے
ع: مرقد میں انیسؔ یہ کفن میں ہوگا	ع: مرقد میں انیسؔ نے کفن میں ہوگا
ع: چل کر گلزار کربلا میں ڈھونڈیں	ع: صاحب گلزار کربلا میں ڈھونڈیں
ع: احباب لحد تلک نہ پہنچائیں گے	ع: احباب لحد تلک تو پہنچائیں گے
ع: جو بند کیا نذر حیدرؑ کے لیے	ع: جو بند کہا وہ نذر حیدرؑ کے لیے
ع: سینے میں یہ دم مشعلِ سحر گاہی ہے	ع: سینے میں یہ دم شمعِ سحر گاہی ہے
ع: اور صاحبِ چشم و گوش ہوجاتا ہے	ع: سرتا بہ چشم و گوش ہوجاتا ہے
ع: یوں لخت جگر چشم سے ٹپکیں باہم	ع: یوں لخت جگر چشم سے ٹپکیں پیہم
ع: کعبے نے شرف علم کے در سے پایا	ع: کعبے نے شرف علیؑ کے در سے پایا

ع: فاطمہؑ آپ کی ہیں مجلس میں ع: فاطمہؑ آچکی ہیں مجلس میں

ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گر راہِ صراط

مصرعوں میں خفیف سی تبدیلی سے شعر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے جب محمد حسین آزاد نے استاد ذوقؔ کا شعر میر انیسؔ کے سامنے غلط پڑھا تو میر انیسؔ نے تصحیح کر کے کہا تھا بڑا شاعر ہر چھوٹے لفظ کو بھی صحیح مقام پر رکھ کر بڑا بنا دیتا ہے۔

انیسؔ کی چند رباعیوں کے دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے اور پسند کیے گئے۔ فارسی میں ڈاکٹر امیر عباس حیدری استاد کیمبرج یونیورسٹی، انگریزی میں امیر امام حر شاکر علی جعفری اور غلام عباس صاحب نے عمدہ تراجم کیے ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند رباعیات ترجمے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں ملا
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

The love (for humanity) exceeds parental love,
Thy beneficence exceeds thy wrath
Grant me paradise or burn me in hell (whatever the thy will)
(For) the former would be mercy the latter justice (Imam Hur)

مٹی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر
ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر
منظور اگر ہے جا دلوں میں اے دوست
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

You are created from clay, don't turn your heart into stone:
Do not find fault in every thing Fight not
Oh friend! if you'd have a place in other hearts
Then better not hurt even your enemy. (Imam Hur)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حبابِ آب دیکھا ہم نے

The childhood and the youth, at a wink they flew
And there at last the Bubble burst and blew.

جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے
(شاکر جعفری)

The sightless eyes then visualized too well
The dream deceitful and the awakening true.

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
(شاکر جعفری)

In flowers I storll or stare at wilderness
Or look at rokes, and sands and seas riches.

ہرجا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
(شاکر جعفری)

A myriad sight to speak that Beauty of,
And me but a pair of eyes to possess.

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

In an orchard the wind blows but for Thee.
The music of nighringale flows but for Thee.
Each object mirrors Thy Majesty and Magnificence.
Each flower I smell mellows but for Thee.

(Ghulam Abbas)

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

It's God who exalts, whomever He wishes.
Self-effacing is the man, humility he practises.
Swaggering suits only to the brainless being
As to an empty vessel. noise pleases.

(Ghulam Abbas)

بادِ سحر آشفتہ ترا می جوید! — گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل بہ چمن وصف ترا می گوید — بلبل کی زبان پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ کہ ہست جلوہ قدرت تست — ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
ہر کس کہ گلی چید ترا می بوید — جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

(استاد حیدری)

گر خوی تو نیک است ترا با کی نیست — ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش اگر بہرِ زا ادراکی نیست — سرکش ہے گر تو عقل و ادراک نہیں
جز غم بنود نصیب آتشخو را — پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
در دامن گرو باد جز خاکی نیست — دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

(استاد حیدری)

یہ سچ ہے کہ اردو رباعی پر تخلیقی رجحان کی سپردگی اور تنقید فکر کی ہم آہنگی نسبتاً دوسری اصنافِ شاعری کے کم ہوئی۔ جوشؔ جو خود ایک عمدہ قادر الکلام رباعی گو ہیں اس چار مصرعوں کی نظم کو پختہ کلامی کی سند کہتے ہیں۔ جوشؔ نے رباعی کے بے شمار موضوعات کو شاعر کے پختہ تجربات، رسیدہ فکر، استادانہ اختصار اور حکیمانہ گفتار کی خوبصورت آمیزش کا نتیجہ قرار دے کر رباعی کو آفاقیت کا رنگ دیا ہے جو رباعی کی تخلیقی سرگذشت کا صحیح جائزہ ہے۔ مولانا رومؔ نے کہا تھا کہ میری زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ میں کچا تھا پک گیا اور پھر سوز و گداز میں حل ہو گیا۔

حاصلِ عمرم سہ سخن بیش نیست　　　　خام بودم پختہ شدم سوختم

شاید اسی لیے مولانا رومؔ کی رباعیات میں آخری پختہ عمر کی استادانہ اور حکیمانہ گفتار کا رنگ ہے۔ رباعی شاعری کی وہ صنف ہے جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہوتی ہے۔ شاعر رباعی کے چاروں مصرعوں میں خیال کو مدون کرتے ہوئے اس کی عکاسی اور رنگینی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ سامع نتیجہ سے بالکل بے خبر رہتا ہے لیکن جب وہ چوتھے مصرع میں برجستگی شگفتگی اور شدت کے ساتھ خیال کا اظہار کرتا ہے تو سننے والا متحیر اور متاثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے تو صائبؔ تبریزی نے رباعی کے چوتھے مصرعے کی قدر و منزلت اور اس کے حسن شعری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رباعی بیتِ آخر می زند ناخن بہ دل

خطِ پشتِ لب بہ چشم ماز ابرو خوش تراست

یعنی رباعی کا چوتھا مصرعہ دلکش اور دل موہ لینے والا ہوتا ہے اور ہماری نگاہ میں مونچھیں ابرو سے حسین ہوتی ہیں۔

فارسی کی طرح اردو رباعی کا ذخیرہ دوسری اصنافِ سخن کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ یہ مشکل صنف اس لیے بھی ہے کہ اس میں ایجاز بیانی، فکری گہرائی، فلسفہ و حکمت کی گیرائی بھی شامل ہے۔ چنانچہ فارسی ہو کہ اردو رباعی میں صرف وہی شعرا کامیاب اور اچھے رباعی گو شاعر مانے گئے ہیں جن کو حکمت کے ساتھ ساتھ شعر پر بھی کامل قدرت حاصل تھی۔ یہ اور بات ہے کہ غزل گو شعرا کے پاس غزل

موجود تھی اور غزل میں مطلع اور بعض اوقات قطعہ بند یا تسلسل رباعی کے فنی کام کی کسی حد تک تکمیل کر دیتا تھا۔ اس کے برخلاف مرثیہ ایک تفصیلی فن تھا جس میں سامعین کو ذہنی اعتبار سے تیار کرنا ضروری تھا اور اس صنف سخن جس کی ساخت میں ایجاز و اختصار اور جس کے موضوعات میں اخلاقیات، عرفانیات، وجدانیات اور فلسفہ و حکمت کی واردات کی ختم نہ ہونے والی فہرست تھی۔ مرثیہ سے پہلے وہی کام دیتی تھی جو ایک زور دار مطلع غزل کے آغاز میں اسی لیے اردو رباعی گویوں کی فہرست میں مرثیہ نگاروں کے نام سرفہرست رہے اور مرثیہ نگاروں کی طرح رباعیوں کو آج تک اردو کا کوئی غیر مرثیہ گو شاعر پیش نہ کر سکا۔ مولوی امداد امام اثرؔ نے ''کاشف الحقائق'' میں بہت حقیقت اور حق کی بات کہی ہے کہ ''انیسؔ اور دبیرؔ یہ دو بزرگوار رباعی نگاری کے اعتبار سے بھی بہت قابلِ قدر ہیں بلکہ اردو شعرا میں یہی حضرات ہیں جنھوں نے رباعی نگاری کی شرم رکھ لی۔''

انیسؔ نے بڑی خوبصورت حمدیہ رباعیات کہہ کر معرفت کے دفتر کھول دیے ہیں۔ انہی حمدیہ رباعیوں میں تصوف کی جھلک، مناجاتی انداز، بندگی کی بے بسی کوتاہی، گاہے حیرانی، گاہے پشیمانی غرض گونا گوں عجز و انکسار کے ساتھ ساتھ شان کریمی اور عظمت ذوالجلال کا اقرار مصرعوں سے ہوتا ہے۔

ع: ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری

کہیں ''ہمہ اوست'' کی نغمہ سرائی کرتے ہیں۔

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

اور کہیں جلوہ کردگار اور ہر سمت اور ہر شے میں اس کی جلوہ گری دیکھ کر کہتے ہیں کہ میں ان دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں، یعنی وہ لوگ اندھے ہیں جو جلوہ خداوندی جو ہر خشک وتر میں موجود ہے چشم معرفت سے دیکھ نہیں پاتے۔

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہرجا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

انیسؔ لفظوں کا بادشاہ ہے۔ گلشن کی رعایت سے صبا، بلبل، رنگ، پھول اور بو کی خوشبو کچھ اس طرح سے مصرعوں میں لپٹی ہوئی ہے کہ پڑھنے یا سننے والا بغیر حظ کیے نہیں رہ سکتا، یہاں مراعات النظیر بطور صنعت گری نہیں بلکہ کمال فن کی معجز بیانی کا نتیجہ ہے۔ پہلے کے تین مصرعوں میں مضمون کو ارتقا دے کر شاعر نے چوتھے مصرعہ کو آسمان پر پہنچا دیا اور فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود یعنی ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کا دفتر کھول دیا۔ دوسری رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں کائنات کے تمام مظاہر جن کا تعلق نظر یا قوت باصرہ سے ہے جمع کر کے انسان کی محدود بینائی اور عمر کی اَن کہی حقیقت بین السطور اور بین اللفظ بیان کر کے رب العالمین کی توصیف اور

شناسائی کی ہے۔ اس رباعی کے چوتھے مصرعہ سے اکابرین نے مقولہ یا ضرب المثل کے طور پر استفادہ کیا ہے۔

میر انیسؔ نے تصوف اور واقعہ کربلا کو برائے شعر گفتن کے طور پر نہیں برتا بلکہ امامؑ مظلوم کی سیرت ان کے کردار اور انسانی اقدار کو اپنی شخصیت کا جزو بنالیا اور یہ وہی جوہر تھا جس کی وجہ سے انیسؔ کے اشعار سے صداقت کی روشنی پھیلتی نظر آتی ہے اور ایسی سعادت بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ میر انیسؔ عرفان کے اعلیٰ درجوں پر فائز تھے وہ درویش و قلندر صفت تھے وہ کھل کر دنیاداری، ریاکاری اور درباری لغزشوں کے خلاف پیام دیتے جو برہنہ شمشیر کی طرح روشن اور تیز ہوتا ہے ان کے مخاطب عوام اور خواص دونوں ہوتے ہیں اور خطیب ومخاطب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔

جس شخص کو عقبیٰ کی طلب گاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اِک چشم میں کس طرح سمائیں دونوں
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
اِس زیست پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

دنیا کی بے ثباتی جہاں زندگی کی تکمیل موت اور پھر ایسی زندگی کے لیے تگ و دو، حسد و خوں ریزی کرنا سب نقصان کی چیزیں ہیں۔ دنیا عبرت کا مقام ہے یہاں ہر شئے کو فنا ہے یہاں میر انیسؔ نے تلمیحات سے مضمون کو رفعت دی ہے جو ان کے کلام کی عظمت اور قادر الکلامی کی دلیل ہے جام جم، شکوہِ دارا اور آئینہ سکندر کا آخری دو مصرعوں میں برتنا بتاتا ہے کہ میر انیسؔ داستانوں کو الفاظ کے سینوں میں بند کر دیتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہے کہ رباعی کے چار مصرعوں میں چار سمت کی وسعت سما جاتی ہے۔ آخری مصرعہ میں آئینہ کو بطور ایہام رکھ کر تلمیح یعنی آئینہ سکندر اور تشریح یعنی معنی آفرینی بھی کی ہے۔

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گومگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل
ہشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
مشکل آنا اِس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو، رختِ نَو پہن کر غافل
اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اَوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اِک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

میر انیسؔ کی درجنوں اخلاقی رباعیات میں عارضی حیات اور مستقل ممات کی تاکید ہے کہ یہ زندگی آنی فانی ہے اور دنیا مسافر خانہ ہے جہاں سے سفر کرنا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی پر جتنی عمدہ اور پُر اثر میر انیسؔ کی رباعیاں ہیں شاید ہی کسی اور اردو شاعر کے دیوان میں ہوں۔

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

دل میں غمِ یارانِ وطن لے کے چلے
اس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے
نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

پروفیسر یوسف جمال انصاری ''رباعیات انیس'' میں لکھتے ہیں۔ ''انیس کی بہت سی رباعیات حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔ علی الخصوص امیر المومنین حضرت علیؑ کی شان میں ایسی ایسی رباعیات موجود ہیں جن کا جواب نہیں۔ رباعی کہنے کا حق انیس اور دبیر نے ادا کر دیا۔ عموماً ہر رباعی بلند پایہ اور قابلِ تعریف ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک خاصی تعداد ایسی رباعیات کی موجود ہے جن کو صحیح معنی میں لاجواب قرار دیا جاسکتا ہے۔ دبیر کی رباعی ہے:

کعبہ نے شرف علیؑ کے در سے پایا	مولود جو واں حکم قدر سے پایا
لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا	گودی میں نبیؐ لیے یہ کہتے نکلے

اول تو جو بات اس رباعی میں نظم کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بلند و ارفع ہے۔ لیکن جس طرح خیال کو نظم کی لڑیوں میں پرویا گیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اشارہ ایک تاریخی حقیقت کی طرف منظور تھا کہ جناب علیؑ کعبے میں پیدا ہوئے اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ نبیؐ کا وصی وہ ہے جو خدا کے گھر سے آیا ہو۔ بلندی خیال کے علاوہ بھی ایک چیز قابلِ لحاظ ہے یعنی کسی شعر کے تیور یا یوں کہیے کہ لب و لہجہ، اس عنوان سے اس رباعی پر نظر ڈالیے۔ کیا شاہانہ لہجہ ہے۔ حکم خدا، کا ٹکڑا منہ بولتا ہے۔ حکم خدا سے کعبے میں ولادتِ علیؑ کا نتیجہ دوسرے مصرع میں ظاہر ہوتا ہے

کہ کعبے کو علیؑ کی پیدائش سے شرف حاصل ہوا۔ یہاں لہجے کی بلندی قابل لحاظ ہے اور پھر کعبے سے جنابِ علیؑ کی برآمدگی کہ نبیؐ اپنی گود میں لے کر نکلتے ہیں، دنیا کو دکھاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں؟

لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

اب ایک دوسرا مقام انیسؔ کی رباعی میں ملاحظہ ہو کہنا یہ مقصود ہے کہ بعد شہادت جب سرِ مبارک کو نیزے پر بلند کیا گیا تو اس کا اثر کچھ اور ہی نمایاں ہوا۔ افواج یزید کا مقصد تو یہ ہوگا کہ امام عالی مقام کا سر دنیا کو خوف زدہ کردے گا کہ یزید کی طاقت بھی کتنی بڑی طاقت ہے اور لوگ جمہورِ اطاعت ہو جائیں گے۔ لیکن ہوا کچھ اور ہی دیکھنے والے چیخ اٹھے کہ کس صاحبِ کرامت کا سر ہے جو شہید بھی ہے اور غازی بھی اور نمازی بھی۔

کیا مرتبہ سلطانِؑ حجازی کا ہے   کیا عزّ و شرف امامِؑ غازی کا ہے
سجدہ کا نشاں دیکھ کے سب کہتے ہیں   نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

یہ بلاشبہ ایک عظیم رباعی ہے۔ لہجے میں فخر و مباہات کا وہ عالم ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ انیسؔ چاہتے تو حاضرین مجلس کو اپنی مرضی کے مطابق رلاتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ انیسؔ نے بظاہر ایسا نہیں کیا اور رجزیہ انداز میں جھوم جھوم کر قصیدے کے رنگ میں سر مبارک کی تعریف کی ہے۔ یہ اس رباعی کا ایک رخ ہے اگر دوسری مرتبہ نظر ڈالی جائے تو چیخ نکل جاتی ہے کہ وہ سر جو جسم امامؑ پر ہونا چاہیے تھا نیزے پر ہے۔ نیزے کی رعایت ایک اور مقصد سے بھی برتی گئی ہے وہ دن نہ تھا روزِ قیامت تھا۔

آفتاب سوا نیزے پر بھی نہ تھا۔ سرمبارک دراصل آفتاب ہے۔ آفتاب کی پہچان روشنی سے ہوتی ہے سرِ اقدس کی بھی یہی پہچان بتائی گئی ہے۔ وہ نورانی چہرہ جسے دیکھ کر یہ کہہ اٹھیں:۔

ع نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

اک پھول کا مضموں ہوتو سو رنگ سے باندھوں:

میر انیسؔ نے خود کہا تھا:

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

اور اس فن میں وہ یدِ طولیٰ رکھتے تھے لیکن صرف یہی نہیں بلکہ انیسؔ کا کمالِ فن یہ بھی تھا کہ وہ ہر رنگ کے مضمون کو اُسی رنگ و ڈھنگ کے الفاظ سے باندھتے اگر شادی کا مقام ہے تو شعروں میں جو لفظ ملتے وہ سرخ پوش شہنائی بجاتے ڈھول پیٹتے اور رقص کرتے نظر آتے، غم کے مضمون میں سیاہ پوش اشکبار درد و گداز سے بھرے الفاظ صفوں میں ماتم کرتے معلوم ہوتے۔ خوف کا ذکر ہو تو خوف زدہ، گھبرائے ہوئے الفاظ، لڑائی یا معرکہ میں زور وشور پیدا کرنے والے الفاظ اور کہیں پند ونصیحتوں کے الفاظ واعظ دوراں اور رہبر خوش بیان معلوم ہوتے۔ اسی لیے تو میر انیسؔ کو محاوروں کا بادشاہ اور لفظوں کا شہنشاہ اور نئے مضامین کا خالق کہا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی دوسرے شاعر نے اردو شاعری میں اس طرح کی مکالمہ نگاری اور بول چال کی سلیس زبان استعمال کی ہو۔ اس طرح مصرعوں میں لفظوں کو جڑ دیتے تھے کہ وہ دُرِ شہوار کی لڑی معلوم ہوتے۔ میر انیسؔ چھوٹے چھوٹے اردو کے

لفظوں کے کاندھوں پر آسمانوں کا وزن رکھ دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے پاؤں نہیں لڑکھڑاتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ میر صاحب لفظوں کے خالق مطلق ہیں جس لفظ سے جیسا چاہتے ویسا ہی کام لیتے، الفاظ آہنی تھے مگر انیس کے ہاتھ میں موم بن کر مصرعوں میں ایسا کھپ جاتے جیسے حضرات داؤد کے ہاتھوں میں لوہے کی ذرہ کے ٹکڑے نرم ہو جاتے تھے۔

مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سُن کے روز مرّا میرا

کیا فاختہ بحثے گی بھلا بلبل سے
صاف اپنا وہ پہلے روز مرّا تو کرے

میر انیس کہا کرتے تھے۔ صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ اہلِ لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔ انیس کو اپنی زبان دانی پر فخر تھا اور اس فخر اور فن پر گرفت کو خودستائی یا عیب نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل کی رباعی میں انیس نے غرور غرّہ اور دعوی کو کس خوبصورتی سے استعمال کیا اور مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا:

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے
غرّہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے
خالِ رُخِ اکبرؑ کی جو کی ہے توصیف
دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

گلچیں کو اس پر ناز ہے کہ اُس نے باغ کے ایک گوشے سے پھولوں کو چُن کر محفلوں میں بکھیر دیا۔ بلبل اپنے شیریں لہجہ پر مغرور ہے کہ کوئی اور پرندہ ایسی دلکش آواز نہیں پاسکا۔ ہم شبیہ رسول علی اکبرؑ کے سراپا سے مرثیہ نگاروں کے دفاتر بھرے پڑے ہیں لیکن انیسؔ کی معجز بیانی کا کوئی حریف نہ ہوسکا۔ خالِ اکبر سے نکتہ دانی کو جوڑنا شعر کی بلاغت کا جوہر ہے۔ انیسؔ بین السطور یہ بتا رہے ہیں کہ میں نے علی اکبرؑ کے خال سے جو نادر مضامین نکالے ہیں اُس سے میری نکتہ دانی دقیق اور عمیق نظری ظاہر ہوتی ہے۔

انیسؔ نے بہت صحیح کہا اور یہ کر کے بھی دکھایا کہ وہ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے پیش کرنے کی صلاحیت اور ہنر رکھتے ہیں۔ ذیل کے مصرعوں اور شعروں میں پھول کے مضمون کے مختلف رنگ اور ڈھنگ دیکھئے اور کیف کیجیے۔ ہم نے یہاں صرف رباعیات سے پچاس سے زیادہ مضامین چُن کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر انیسؔ صرف مرثیہ کا نہیں اردو شاعری کا سردار بھی ہے۔

جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہوجائے

مداح گلِ گلشن زہراؑ ہم ہیں
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے

ع: گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں

ع: کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں
ع: گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو
ع: گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہوجائے

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

ع: شاخ گلِ تر زمیں پہ سر دھرتی ہے
ع: ہر پھول سے صنعت صمد پیدا ہے

لالے سے عیاں بہار سرخوشی ہے
نرگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گومگو ہے اے رب کلیم
بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

اس ایک رباعی کی تشریح کے لیے پورا دفتر بھی کم ہے۔ لالے کا پھول سرخ رنگ کا اس طرح لگتا ہے جیسے ایک جوان خوبصورت چہرہ خوشی کے عالم میں

سرخی سے دمکتا ہے۔ نرگس کے پھول کی شکل خمار زدہ مست آنکھ سے مشابہت رکھتی ہے جس کو مدہوشی کی حالت بتائی ہے۔ تیسرے مصرع میں گومگو یعنی بولنا اور خاموشی وہ بھی سوالیہ طور پر رب کلیم کی نسبت سے جہاں حضرت موسیٰ جو اللہ سے بات کرنے والے نبیؑ کی تلمیح نے مضمون کو آسمان کی بلندی دی۔ آخری مصرعہ حُسن تعلیل میں ہے جہاں بلبل بولتی ہے اور پھول بات نہیں کرسکتا جس سے شاعر نے پورا استفادہ کیا ہے۔

ع: ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے

ع: فردوس سے مثلِ بوئے گل جاتے ہیں

ع: ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذر بکف

ع: گل دستہ باغ دیں ہے دستِ حیدرؑ

ے گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیسؔ
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

ے صاحب گلزار کربلا میں ڈھونڈیں
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

ے یارب رہے یہ باغ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گل ہے گُل میں بو ہے

ع: رضواں ہے فدا گل ہیں یہ سارے ایسے

ے فردوس سے روح مصطفیٰؐ آتی ہے
پھولوں میں بسی بوئے صبا آتی ہے

ے خوشبو یہ عرق میں ہے عزا داروں کے
پانی پانی گلاب ہوجاتا ہے

ع: دامن میں گل اشکِ عزا رکھتے ہیں
ع: یہ پھول خزاں میں بھی تروتازہ ہے
ع: داغِ غم شہؑ سینے میں گل بوٹے ہیں
ے یوں اشکِ عزا چشم سے ٹپکیں پیہم
ہر موے مژہ پھولوں کی ڈالی ہوجائے

ع: گل لختِ جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں
ع: اکبرؑ سا گل بدن نہ ہوگا کوئی

ے خود ڈھونڈ کے پیشِ اہل دل جاتا ہوں
غنچے کی طرح ہوا سے کِھل جاتا ہوں

ذیل کی رباعی میں دنیا کی بے ثباتی اور ہر شے فنا پذیر ہے کے خشک مضمون کو صنعت مراعات النظیر میں جس میں نخل، باغ، گل، خزاں، مرجھانا جیسے لفظوں سے رنگین بنا کر مصرعوں کو زعفران کر دیا۔

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

ع: خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے
ع: ہر گل کو گِلہ کم التفاتی کا ہے
ع: کب غنچہ کی گل جھڑی صبا نے کھولی

لکھنؤ میں غدر کے بعد انگریزوں نے مقامی جاسوس افراد سے مدد لے کر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کیا۔ شریف لوگوں کے لیے زندگی ننگ و عار سے بدتر ہوگئی۔ ایسے حالات سے انیسؔ آگاہ تھے۔ چنانچہ صنعت مراعات النظیر اور استعاروں کی مدد سے انیسؔ نے حالات کی تصویر کشی کی:

شکلِ چمن صدق و صفا بگڑی ہے
ہے رنگ نیا بوے وفا بگڑی ہے
پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھٹکا
کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگڑی ہے

گلزار جہاں سے باغ جنت میں گئے
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

ع: سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

حضرت علی اکبرؑ بہت خوب صورت نوجوان تھے وہ صورت میں، سیرت میں رفتار میں، گفتار میں، اطوار میں، کردار میں، قدو خال اور بول چال میں پیغمبر اکرمؐ سے مشابے تھے اسی لیے ان کو ہمشکل نبیؐ یا شبیہ پیغمبرؐ کہا جاتا تھا۔ میر انیسؔ کے مرثیوں اور سلاموں کے دفاتر علی اکبرؑ کے سراپا سے سرتا پا نورانی ہیں۔ اس مقام پر ہم صرف رباعیات میں وہ بھی صرف پھول کے مضامین کے تحت جمع آوری کررہے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ذکر کی گئی رباعی میں انیسؔ نے اس حسن کی توصیف کو ناممکن قرار دے کر قد و خال کو استعارے اور تشبیہہ کے پھولوں سے سجا کر گلشن سخن میں پیش کیا ہے:

منہ چاہیے وصف رخِ اکبرؑ کے لیے
تھا حُسن اسی سروسمن بر کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گل چاہیے مسطر کے لیے

علی اکبرؑ کے قد کو سرو سے سینے کو گل سمن سے اور نازک بدنی کو رگ گل اور مسطر سے جوڑ کر میر انیسؔ نے غزل گو شعرا کے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔ میر انیسؔ کو ان مقدس ہستیوں کا ذکر کرنا تھا جن کے لیے الفاظ کا استعمال اور انتخاب ان کے تقدس کے مناسب ہو یہاں فردوسیؔ کی فرضی داستان نہیں تھی جس میں ایک۔ فرضی

وحشی رستم کو ہیرو بنایا گیا۔ فردوسیؔ نے کہا تھا:

منم ساختم رستم داستاں وگرنہ یلی بود در سیستاں

لیکن انیسؔ نے اقرار کیا تھا:

میں کیا ہوں مری طبع کیا ہے اے شہِ شاہاں
حسان و فرزدق ہیں یہاں عاجز وحیراں

اسی لیے اس رباعی کے تیسرے مصرعہ میں جنسیت کو مٹانے کے لیے نازک کمر کے مضمون کو نازک بدنی سے بدل کر سوقیانہ ہونے سے بچا کر صوفیانہ کر دیا اسی لیے تو کہتے ہیں اردو شاعری میں اخلاقیات سیکھنے کے لیے میر انیسؔ کی دہلیز پر جبیں سائی کرنی پڑے گی۔

انیسؔ کی اخلاقی رباعیات کی ایک خاص تعداد غرور کی مذمت، قناعت، خودداری وانکساری فقر و درویشی اور عزت نفس پر مشتمل ہیں۔ میر انیسؔ جو کہتے تھے وہ کرتے بھی تھے اسی لیے ان کے پند ونصائح سے لوگ متاثر رہتے تھے۔ میر انیسؔ عوامی تھے درباری نہ تھے لیکن ان کی پر کشش انسانی اقدار سے لبریز شخصیت کے درباری اور عوامی افراد گرویدہ تھے۔

جن لوگوں نے میر انیسؔ کی شخصیت کا مطالعہ کیا ہے وہ ان رباعیات کو ان کی منظوم خود نوشت کہہ سکتے ہیں اور یہ مصرعہ انیسؔ کے دل کے ترجمان تھے چنانچہ بقول علامہ اقبالؔ۔

ع: دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے
یہ دلق مرقّع امراء کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشہ کو نہ ملے

ہر صبح کو/تو دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہر عزت کا بھی دھیان آتا ہے
جب ضامن روزی ہے خداوندِ کریم
پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں
گر زر کی ہوس نہ ہو ابوذر ہو جائیں
نوابی و شاہی نہیں درکار انیس
گر سدِ رمق ملے سکندر ہو جائیں

انیسؔ کے اخلاقی رباعیات میں ان کے خود ذاتی کردار اور نظام العمل کے ساتھ ساتھ ان کے ماحول اور لکھنؤ کی تہذیب کو بھی بڑا دخل تھا۔ یہ اخلاقی رباعیات ایک مریضانہ ماحول کی پیداوار نہ تھیں ورنہ لکھنؤ میں لکھی نہ جاتیں اور مخصوص لکھنؤ میں مقبول عام نہ ہوتیں۔ لکھنؤ کی تہذیب اور تمدن کے ساتھ یہ انصاف نہیں کہ وہاں کے شعر و ادب کی داستانوں کے ساتھ کچھ رنگین شعرا کے سوقیانہ اور بازارانہ رنگ کو ساری تہذیب کے کینوس پر رنگ دیا جائے۔ میر انیسؔ کی رباعیات کی اخلاقی قدریں اور ان کی سماجی اور اجتماعی پذیرائی اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ لکھنؤ کی سچی تہذیب کو برملا کیا جائے اگر چہ کہ ہم جانتے ہیں:
ع: در ید بیضا ہمہ انگشت یکساں نیست۔ اس موقع پر ہم پروفیسر شبیہ الحسن لکھنوی کے مضمون کی چند مربوط سطور کو بطور ادعا اور استغنا پیش کرتے ہیں:

> ''یہ رباعیات اسی لکھنؤ میں لکھی گئیں اور وہیں مقبول ہوکر تحسین و آفرین کا مورد بنی ہیں کہ جس کی شاندار تہذیب نے میر انیسؔ کو پیدا کر کے اپنے وجود کی ایک فنی علامت بنادیا تھا۔ اس لیے یہ رباعیاں اور ان کے اندر موجود نقطۂ نظر میر انیسؔ کی آواز نہیں ہیں بلکہ اودھ اور لکھنؤ کی ان تہذیبی اقدار کی زبان گویا ہیں جن کے ساتھ ادبی تاریخ میں بہت کم انصاف کیا گیا ہے۔ اگر لکھنؤ کی ساری تہذیب مریض تھی اگر یہاں کا ماحول اپنی تعیش زدگی کی وجہ سے نیم جان تھا، تو توانائی سے لبریز ایسی رباعیاں کیونکر وجود میں آگئیں اور اگر

وجود میں آ بھی گئی تھیں تو آبادی کے ہر حلقے اور طبقے میں ان سے اثر قبول کرنے والے مداح کیونکر پیدا ہو گئے۔ اگر یہاں خارجیت کے چونچلوں کے علاوہ اور کچھ وجود ہی نہیں رکھتا تو یہ رباعیاں کس ماحول، کس تہذیب اور کن لوگوں کے داخلی افکار و اقدار کی نمایندگی کرتی ہیں۔ کن لوگوں کی حدیث دل بیان کرتی ہیں اور کن لوگوں کے لیے وجود میں آتی ہیں۔ یقیناً یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح یہ رباعیاں انیسؔ کی فکر، جذبے اور کردار کا آبِ زلال ہیں اسی طرح لکھنؤ کی تہذیب و فکر میلان اور اخلاق کے نظریاتی استحکام کا بھی آبِ زلال ہیں یہاں کی اجتماعی تہذیب کی ایسی علامت ہیں جس میں داخلیت کو حسن کے بیرونی پیمانوں سے چھلکنے اور اُبلنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ رباعیاں اپنے معنوی حسن اور صوری زیبائش کی وجہ سے لکھنؤ کی تہذیب، زبان اور ادب کے متعلق نقادوں کو بالعموم نظرِ ثانی کی دعوت دیتی ہیں اور انھیں اس داخلی پہلو کی طرف متوجہ کرتی ہیں جسے خارجی اوصاف سے مسحور یا بدمزہ ہو کر مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔"

میر انیسؔ کا کلام اگرچہ مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں پر مشتمل ہے جو مضمون کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کے اقدار اور زبان کے لحاظ سے برصغیر کی عظیم

زبان اردو سے متعلق ہے لیکن اس کی آفاقیت اس میں شامل درس اخلاق ہے۔ میر انیسؔ کا کلام اخلاقیات کا عمدہ ترین نمونہ ہے یہ حُسن یوسف ہے جس کو مصر کے بازار ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر بازار میں پیش کیا جانا چاہیے۔ شاید اسی کلامِ انیسؔ کی اخلاقی قوتوں کا احساس کر کے مولانا ابوالکلام آزادؔ نے لکھا تھا کہ ''غالب کی غزلیں اور انیسؔ کا کلام برصغیر کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے یہ کسی قوم قبیلہ یا منطقہ کی میراث نہیں۔ اخلاق کا تعلق اشرف المخلوقات کی اشراف قدروں سے ہے چنانچہ اس سے ہر انسان فائدہ اٹھا کر اپنے کو احسن التقویم بنا سکتا ہے۔ میر انیسؔ کا موضوع فلسفۂ شہادت، کربلا، اولوالعزم خانوادۂ رسالتؐ کے اخلاق و کردار اور ایثار سے تازگی اور نمود حاصل کرتا ہے جہاں حق پرستی، سچائی، رحم، عدل، تواضع، استغنا، توکل، عزّتِ نفس، حریت کے ساتھ ندامت، تکبّر و غرور، خود پرستی سے کنارہ کشی کی تعلیم با الواسطہ یا بلا واسطہ دی جاتی ہے۔ میر انیسؔ کے اخلاق سازی کا ہنر مرثیوں سے زیادہ رباعیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے میر صاحب کی بہت سی اخلاقی رباعیات زبان زد عام ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی، حرص و ریاکاری دو روزہ زندگی پھر پیری اور موت ایسے مضامین ہیں جن پر انیسؔ کی رباعیات اُردو شاعری کی گراں قدر میراث سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے مرثیۂ انیسؔ میں کلام انیسؔ کی انسانی لافانی اخلاقی قوتوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اپنے ضمیر کو خوش اخلاقی اور خوش کرداری کے زیور سے آراستہ کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر انیسؔ کا

کلام کسی خاص مذہب وملت سے وابستہ نہیں، چنانچہ یہ اردو زبان کے شاعروں، ادیبوں اور پرستاروں کا فرض ہے کہ کلامِ انیسؔ سے خود بھی شناسی پیدا کریں اور دوسری قوموں کو بھی اس آواز جرس سے بیدار کریں اور پھر شاید ع: ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں انیسؔ

نمونے کے طور پر مشتی از خروار ہم چند اخلاقی رباعیات پیش کرتے ہیں۔

خاکساری، بردباری، عجز وعیب پوشی کے عمدہ مضامین کو مصرعوں میں اس طرح سمودیا ہے جیسے دریا کو کوزے میں۔ توکل، قناعت اور ندامت حرص پر خوب صورت رباعیاں ہیں:

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو
سختی بھی جو ہو تو بُردباری کر تو
پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو
بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرّہ
ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

ہر صبح یہ دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
جب ضامنِ روزی ہے خداوند کریم
پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ رے پیری میں ہوس دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

یہ حرص جو لے کے جابجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

دنیا بے ثبات ہے فانی ہے۔ ہر شخص یہاں سے خالی ہاتھ گیا کیوں کہ خالی ہاتھ یہاں آیا تھا۔ دنیا مقام عبرت ہے۔ صرف چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اَوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اِک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گومگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل
ہُشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

ریا کاری، منافقت اور سیاہ قلبی پر عمدہ رباعیاں ہیں۔

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی
کچھ تونے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

تا چرخِ فغان صبح گاہی نہ گئی
چہرے سے کبھی گردِ تباہی نہ گئی
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیسؔ
پر اک سرِمو دل کی سیاہی نہ گئی

میر انیسؔ اگرچہ مرثیہ گو شاعر ہیں لیکن انھوں نے سلام اور خصوصاً بڑی تعداد میں رباعیات بھی کہیں ہیں وہ جس طرح درجہ اول کے مرثیہ نگار ہیں اُسی طرح درجہ اول کے رباعی گو بھی ہیں۔ یہ میر انیسؔ کی معجز بیانی ہے کہ انھوں نے رباعی کے اختصار اور چوتھے مصرعہ کے زوردار لہجہ سے مرثیے کے بند میں استفادہ کرکے ٹیپ کے شعر کو مرثیہ کے بند میں رشک رباعی بنادیا۔ میر انیسؔ کی رباعیات ہوں یا مرثیے کے بند، ہر دو اصناف میں بھرتی کے الفاظ، بے جان تشبیہات اور ڈھیلی بندیش نظر نہیں آتیں۔ میر انیسؔ ایک مکمل فطری شاعر کا قالب ہیں ان کے اشعار میں جو ظاہری صنعتیں نظر آتی ہیں وہ بھی ان کی فطرت کی رنگینی ہے جو ان کے حسن زبان اور بیان کا فطری حصہ ہے جس میں تصنع نہیں۔ شاعری کی صنعتوں میں "تمثیل نگاری" کو اس لیے بھی اہمیت دی جاتی ہے کہ دبستان ناسخؔ اور لکھنؤ کی

شاعری میں تمثیل نگاری کو بڑا فروغ ہوا۔ غزلیات ہوں کہ مثنویات، رباعیات ہوں کہ قصیدہ جات، تمثیل نگاری کے کامیاب اور ناکام تجربات سے مملو تھے لیکن اغلب تمثیل نگاری بناوٹی اور اضافی نظر آتی تھی جہاں تک رباعیات کا تعلق ہے میر انیسؔ نے اگرچہ تمثیل نگاری کا کم لیکن صحیح اور فطری استفادہ کیا ہے یعنی تمثیل نگاری سے شعر کے مضمون کو آسمان پر پہنچا دیا ہے جس کی صداقت کا کلمہ قاری پڑھ لیتا ہے۔

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگ دل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اس رباعی کا دوسرا کرشمہ یہ ہے کہ یہاں صنعت تضاد سے مصرعوں میں جان ڈالی گئی ہے جیسے زمین، آسمان، قوی، ناتوان، نرمی، سنگ، یہی نہیں بلکہ صنعتِ حُسن تعلیل سے چوتھا مصرعہ منزل کمال پر پہنچ گیا ہے۔ دانت سخت ہیں لیکن زبان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں۔ مصرعوں کے لہجوں میں فرق ہے۔ پہلا اور دوسرا مصرعہ صنعت سوالیہ اور استفہامیہ ہے مصرعہ سوم بیانیہ ہے۔ مضمون کو پہلے تین مصرعوں میں ارتقا دے کر منطق اور تجربہ کی روشنی میں عزتِ نفس کے اخلاقی درس کو پیش کرتے ہیں جو ایک کامیاب شاہکار رباعی کی شناخت ہے۔

میر انیسؔ کے پاس درجنوں ایسی رباعیات ہیں ہم ایک اور مشہور رباعی کو

پیش کرتے ہیں:

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتا ہے تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

چاروں مصرعوں میں سلاست روانی آسان بیانی اور دلکشی ہے۔ مصرعوں میں الفاظ ایسے جڑ دیے گئے ہیں کہ بھرتی کے لفظ کا گزر تک نہیں۔ اخلاقیات کے مسائل میں عجز و انکساری فروتنی، خودداری اور خاکساری انساں سازی اور کامیابی کی کلید بتائی گئی ہے۔ یہاں مولانا رومؔ کی روایت:

خوش تر آن باشد کہ سرِّ دلبران
گفت آید در زبانِ دیگران

کا چلن ہے۔ کم ظرفوں کی خودستائی خودان کی رسوائی کا باعث ہوتی ہے۔ اگرچہ مصرعوں میں بعض ادق اور فارسی کے الفاظ مصرعوں کو شان و شوکت کے پوشاک پہنا کر بلند بینوں کے لائق کردیتے ہیں لیکن پھر بھی یہ انیسؔ کے کلام کی تاثیر ہے کہ تمثیل ہوتے ہوئے بھی مصرع اور شعر زبان زدہ عام ہوجاتے ہیں۔

صنعت جمع: انسان جوایک مشت خاک ہے خدا نے کیا کیا بخشا ہے۔

عقل و ہنر و تمیز و جان وایماں
اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(عقل، ہنر تمیز جان اور ایمان کوایک مصرعہ میں جمع کیا ہے)

صنعت جمع: طوبیٰ کوثر بہشت آرام لحد

جو کچھ پایا علیؑ کے گھر سے پایا

(طوبیٰ کوثر بہشت اور لحد ایک مصرعہ میں ہیں)

صنعت مراعات النظیر : طوبیٰ۔کوثر۔بہشت

صنعت لفظی سے استفادہ کر کے حُر کی شان اور خوش بختی کا اظہار کیا یعنی حُر نے مقداد سے مقدّر، سلمان سے اسلام کی منزلت، عمّار سے عمر جاودانہ اور زر سے اجتناب کر کے ابو ذر کا رتبہ حاصل کیا۔ مقداد، سلمان، عمّار اور ابو ذر چاروں حضرت علیؑ کے عمدہ ترین صحابی تھے۔

حُر نے مقداد کا مقدّر پایا

اسلام بھی سلماں کے برابر پایا

عمّار کی طرح پائی عمرِ جاوید

زر چھوڑا تو رُتبۂ ابوذر پایا

صنعت تکرار، صنعت اعداد، صنعت اشتقاق اور لہجہ ندا اور دعا ذیل کے مصرعے میں ہیں۔

ع: اک توبہ تو کیا ہزار توبہ یارب

صنعت جمع، صنعت اعداد اور صنعت ابداع کو ذیل کے شعر میں دیکھیے۔

توریت انجیل اور زبور و قرآن

ہیں ایک رباعیِ صفات حیدرؑ

صنعت اعداد تکرار کے لزوم کے ساتھ شعر دیکھئے۔

قربان دوازدہ امامؑ برحق
بارہ سطریں یہ ''سورۂ نور'' کی ہیں

کیا غم ہے کہ نور عین زہراؑ کے لیے
سر دست مژہ سے پتلیاں پیٹتی ہیں

اس فوق شعر میں محاورہ سر پیٹنا کے علاوہ کئی صنعتیں ہیں۔ صنعت حسن تعلیل میں دوسرا مصرعہ ہے یہاں شاعر نے پلکوں کے جھپکنے کو نظم کیا ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں مژہ، پتلیاں اور عین شامل ہیں۔

انیسؔ کے پاس نادر تشبیہات استعارات، تلمیحات اور اشارات کا خزانہ ان کے کلام میں دفن ہے ضرورت اس کو نقد نظر سے نقد کرنے کی ہے۔

نادر تشبیہ = گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں

نادر استعارات = چشم بد دور بزم ماتم ہے نور
آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

تلمیحات = کجکول کو تاج خسروانی کردیں
درویش کو اسکندر ثانی کردیں

عمدہ تشبیہات = گو صورت دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
مانند حباب خانہ بردوش ہوں میں

تشبیہ سے عمدہ مضمون نکالا ہے۔

عریاں ہوں لباس عاریت سے جو ں سرو
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو

تلمیحات سے مضمون تراشا ہے:

انداز کلام حق سمجھتا ہے کلیم
موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو

پورا شعر تلمیحات سے سجا ہوا ہے۔

جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

خوبصورت استعارہ

ع: دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں

بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیس
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے

یہ شعر صنعت ایہام صنعت تضاد اور صنعت شرطیہ میں ہے۔ مصرعہ ثانی میں رویا کے دو معنی ہیں ایک اردو میں رونے کے اور دوسرے فارسی میں خواب کے۔ اس ثانی مصرعہ کے لفظ خواب کے بھی اردو میں خواب دیکھنے کے ہیں اور فارسی میں صرف سونے کے ہیں۔ اس طرح دونوں مطالب عمدہ ہیں اسی طرح مصرعہ اولی میں صنعت تضاد۔ بیدار اور خواب کا اچھا پُر کیف استعمال ہے۔

ہماری دنیا کے سات بلین افراد اگر کسی ایک چیز پر متفق ہیں تو وہ موت ہے۔ کوئی بھی انسان موت کا منکر نہیں۔ مختلف اذہان اور ادیان میں موت کے مسائل اور فلسفے میں اختلاف ہے اور موت کی بعد کی زندگی کے متعلق علیحدہ علیحدہ بیانات اور رجحانات نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاہکار تمثیلی نظم جاوید نامہ میں عارف ہندی وشوامتر جس کو اقبالؔ نے جہان دوست کا لقب دیا ہے اپنی نصیحتوں اور نکات میں اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ صرف ایک علم کو بندہ اللہ سے زیادہ جانتا ہے اور وہ علم الموت ہے۔ اللہ کو موت نہیں لیکن بندہ کو موت آنی لازمی ہے۔ چنانچہ وہ موت کو اللہ سے افزوں تر جانتا ہے۔ اردو شاعری میں حیات اور ممات کے مسائل پر دلچسپ اشعار نظر آتے ہیں لیکن میر تقی میرؔ کی زبان میں موت سلسلہ حیات میں دم لینے کا وقفہ ہے۔ ع: اور آگے چلیں گے دم لے کر
تو چکبستؔ کی نظر میں:

ع: موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن اس تحریر میں ہم نے صرف میر انیسؔ کا موت سے استقبال، موت سے پیار اور قبر سے الفت کے مطالب کو رباعیات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سچ ہے میر انیسؔ نے موت کے عمیق فلسفہ اور منطق کو نظم نہیں کیا لیکن موت کا تعارف اور اس کی حقیقت اس کی تیاری اور اس سے غفلت کے مضر اثرات کو عمدہ ترین لہجہ اور بیان میں پیش کیا ہے اردو ادب کے مرثیہ گوشعرا نے جو رباعیات موت، قبر، زندگی پس از مرگ نظم کی ہیں وہ لاجواب ہیں۔ اگر انیسؔ، دبیرؔ، نفیسؔ اور پیارے صاحب رشید کی رباعیات ان موضوعات پر نہ ہوتیں تو اردو

شاعری کا یہ گوشہ ویران رہتا۔ اس گلستانِ ممات میں انیسؔ نے جو پھول کھلائے ہیں ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ان کی بو سے اذہان خلد بریں کی خوشبو درک کر سکیں۔

موت حتمی ہے ہر ایک کو یہاں سے کوچ کرنا ہے ع

جب سرورِؑ عالم نہ رہے کون رہے گا؟

آرام سے کس دن تہِ افلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں
افسوس نہ جب پنجتنؑ پاک رہے

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے
انسان کا دل ہے داغ اُٹھانے کے لیے
بوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اِک دن ہے فنا
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لَو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کے دَم اس واسطے بھرتا ہوں میں

گھر چھوڑ کے بہرِ جستجو نکلیں گے
اس باغِ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے

میر انیسؔ کی درویشانہ زندگی، عزّتِ نفس کی پائیداری، قناعت، توکل اور مادی دنیا سے بیزاری نے ان کے ماحول کے دوسرے افراد کے برخلاف انھیں طلبِ دولت و مقام اور شہرت سے دور رکھا۔ چنانچہ ان کے قول اور عمل میں یکسانگی ہوئی۔ اسی لیے انیسؔ کی بعض رباعیات جو ان اخلاقی قدروں سے سجائی گئی ہیں زبان زد عام ہوگئیں۔ اردو ادب میں یوں تو قبر اور دفن پر کچھ کچھ اشعار ملتے ہیں لیکن کسی شاعر نے انیسؔ کی طرح قبر اور خاک سے پیار نہیں کیا۔ انیسؔ کی یہ رباعیات انسان کو موت کا خوگر بناتی ہیں اور موت کے خوف کو بڑی حد تک مٹا دیتی ہیں اور اس طرح زندگی کو کامیاب اور موثر بنا کر ہر لحظہ زندگی کو موت کے استقبال کے لیے تیار کرتی ہیں۔

قبر سے پیار اور محبت کا اظہار کیا اس سے اچھا ہو سکتا ہے۔

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے منھ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

فردوس ہر اک قبر کا کون ہوگا
مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت دنیا میں غیر ممکن ہے، انیسؔ!
آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

خاموشی میں یاں لذّت گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا نہ کسی دُشمن کا
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

انسان قبر میں کوئی چیز ساتھ نہیں لے جاتا۔ سکندر جب اس دنیا سے گیا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ فلاسفر اور نفسیات کے ماہرین کے قول کے مطابق وہ انسان جو بعد از مرگ زندگی کا قائل رہتا ہے وہ انسان سازی، ہمدردی اور احترام

آدمیت کے کام دوسرے افراد کی نسبت زیادہ کرتا ہے۔ میر انیسؔ نے اعمالِ نیک کی اہمیت دکھا کر عبادت الٰہی اور خدمت خلق کا درس دیا ہے۔

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے احباب
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے
تنہا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

میر انیسؔ کی رباعیات میں عمدہ تصوفی اقدار کی تشہیر اور تاکید ہے۔

برباد گراں جنس کو بے تول نہ کر
تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک ناں ہے انیسؔ دست دو نان سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

یہاں ہاتھ پھیلانا، سوالِ نان اور کشکول فصاحت کے سلیس جملوں میں غضب کی بلاغت ہے۔

شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل
یارب مجھے نانِ خشک و چشمِ تر دے

بڑی خوبصورتی کے ساتھ بحر و بر کی تحصیل کو شاہوں سے جوڑا ہے یعنی حکمران خشکی اور تری کو اپنی سلطنت کی وسعت میں شامل کرنے کے لیے دن رات مصروف رہتے ہیں لیکن اس درویش مزاج عارف کو صرف خشک روٹی اور آنکھوں کی تری یعنی شرم و حیا کی آرزو ہے۔ اس رباعی کے شعر میں عمدہ مضمون کے علاوہ ایسی صنعتیں کھپ گئی ہیں جو خود بہ خود مضمونِ شعر کا حصہ بن گئی ہیں۔ صنعت تضاد میں بحر و بر، خشک و تر کے ساتھ ساتھ لف ونشر غیر مرتب یعنی بر کو خشک اور بحر کو تر سے جوڑا گیا ہے۔

ہاں دولتِ فقر مصطفاً دیویں گے
توقیر شرف شیر خداؑ دیویں گے
ہوگا جو گوشہ گیر مثلِ اَبرو
مردم آنکھوں پہ تجھکو جا دیویں گے

پوری رباعی قلندری اور فقری مضامین سے لبریز ہے۔ دولت فقر صنعت تضاد سے معنی آفرینی اور عمدہ بیانی محسوب کی جائے گی۔ شیر خدا لقب حضرت علیؑ اور ان سے منسوب توقیر شرف کی دین ہے۔ صنعت ایہام میں گوشہ گیر اَبرو کی طرح اور آنکھ کی سیاہ پتلی یا مردم کا افراد سے۔ صنعت ایہام نے صنعت حسن تعلیل کا بھی بندوبست کردیا ہے۔ یعنی اگر آنکھ کی سیاہ پتلی کی طرح سے گوشہ میں رہے گا تو لوگ آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ یہاں آنکھوں پر بٹھانا کا محاورہ بھی مضمون میں قابل غور وستائش

ہے۔ انیسؔ فقر اور استغنا کی مدح کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی ان اقدار حسنہ کے عمل پیرا تھے۔

وہ صبر مرا وہ بردباری تیری
بھولے گی نہ مجھکو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی بنا ہے اے فقر
جس طرح سے نبھ گئی ہماری تیری

تصوف میں عزتِ نفس کی نمو کی تعلیمات ملتی ہیں۔ یہاں کسی کو ادنیٰ اور حقیر جاننا جائز نہیں۔ یہاں بقول مولانا روم۔

ع: دل بدست آرد کے حجِ اکبر است

عیب پوشی صفات کبریا میں شامل ہے۔ یہ تمام مطالب اور اخلاقی تصوفی مضامین میر انیسؔ کی رباعیات میں بدرجہ احسن نظم ہوئے ہیں۔

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
محجوب نہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولاؑ میں چلیں
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

یارب رہینِ بحر مواج نہ کر
شرمندۂ اہل ِدولت و تاج نہ کر
یارب قسیمِ روحِ ید اللہ تجھے
اِس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر

ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل
ادنٰی بھی ہو گر تو اُس کو اعلا سمجھے

منظور اگر ہے جادلوں میں اے دوست
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

کہہ دے کوئی عیب جو سے سرگوشی میں
ڈھپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں
گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں
نوابی و شاہی نہیں درکار انیسؔ
گر سدِ رمق ملے سکندر ہو جائیں

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
یہ دلقِ مرقّع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

وہ صبر مرا، وہ بردباری تیری
بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی نباہے اے فقر
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

اردو ادب کی تاریخ اس وجہ سے بھی مکمل نہیں کہ اس میں صرف نثری حوالوں سے کام لے کر شعری ذخیرہ کو نظر انداز کر دیا گیا چنانچہ اگر منظوم اسناد سے کام لیا جاتا تو بہت سے مقامات کی خانہ پُری ہو جاتی۔ مرثیوں کے چہروں اور بعض سماجی اور ذاتی رباعیوں سے حالات اور واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ مرزا دبیر نے اپنی ایک رباعی میں ترکی افواج کی کربلا میں قتل و غارت کا تذکرہ کیا ہے جس میں شہیدوں کی تعداد بائیس ہزار افراد بتائی ہے۔ اگر یہ رباعی کا حوالہ نہ ہوتا تو ہم تاریخی المناک واقعہ سے بے خبر رہتے۔

ع بائیس ہزار حیدری قتل ہوئے

میر انیسؔ کی بعض ذاتی رباعیوں میں ان کی خوشی، بیماری اور غم کی وارداتیں محفوظ ہو گئیں ہیں۔ میر انیسؔ نجف اور کربلا کی زیارات کے مشتاق تھے چنانچہ اپنی

لڑکیوں کی شادیوں سے فرصت پانے کے بعد جو رباعی کہی وہ یہ ہے:

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ
کیوں رُک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

سید محمد عباس جو میر انیسؔ کے خاندان کے فرد تھے لکھتے ہیں: ''میر انیسؔ نے مرنے سے دو سال قبل قبر کی زمین جولائی ۱۸۷۲ء میں میر فیض الدین سے ایک سو روپے میں خریدی اور فروری ۱۸۷۳ء میں میونسپل بورڈ سے قبر کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ آخر رمضان ۱۲۹۱ ہجری میں دردِ سر اور تپ میں مبتلا ہوئے۔ لکھنؤ کے نامور اطبا علاج میں مصروف رہے لیکن ع: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی پھر اسہال کبدی کی بھی شکایت ہوگئی اور میر صاحب صحت سے مایوس ہوگئے۔ اس دوران جو رباعیات کہی ہیں ان میں بعض یہاں درج کی جاتی ہیں۔

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جُو میں انیسؔ
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

جیسے جیسے مرض بڑھتا گیا میرؔ صاحب کی رباعیوں نے ان کی داخلی حالت کا انکشاف کردیا۔

ہے سخت ملول طبعِ ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری
اللہ رے زور ناتوانی کا انیسؔ
آوازۂ مرگِ دل ہے آواز مری

عازم طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یا رب! ترا نامِ پاک جپنے کے لیے
گویا اِک ہڈّیوں کا مالا ہوں میں

لیکن میر انیسؔ کو شفا کا بھروسہ صرف ہوالشافی ہی سے تھا

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے
ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے
درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو
امدادِ امامؑ قــل کــفٰــی کافی ہے

آخر کار میر انیسؔ اس لحظہ کے منتظر رہے

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے
آقا آئے، ہمارے آقا آئے
عجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے
اے جان نکل علیؑ اعلیٰ آئے

اور ۷/دسمبر ۱۸۷۴ مطابق ۲۹ شوال ۱۲۹۱ ہجری روز دوشنبہ شام کے وقت طائر روح میر صاحب کے جسم ناتواں سے پرواز کر گیا۔ دریا پر میت کو غسل دیا گیا۔ مولانا سید بندہ حسین قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کو اپنی خرید کردہ زمین میں دفن کیا۔ بڑے بیٹے نے انیسؔ کی فاتحہ کی مجلس میں جب یہ انیسؔ ہی کی رباعی پڑھی تو رونے کا کہرام برپا ہوگیا:

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا
پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہوگا
اُس روز کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

مرزا غالبؔ سے انیسؔ کی ملاقات غالباً لکھنؤ میں اُس وقت ہوئی تھی جب وہ انتظار کی گھڑیاں اس امید میں گزار رہے تھے کہ شاہ اودھ انھیں اپنے دربار میں مدعو کریں گے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انیسؔ فیض آباد میں مقیم تھے لیکن مسلسل لکھنؤ آتے رہتے تھے۔ جب غالبؔ کے انتقال کی خبر میر انیسؔ کو پہنچی تو انھوں نے غالبؔ کے نام سے فائدہ اٹھا کر خوبصورت رباعی لکھی جو آج بھی انیسؔ کے خط تحریر میں محفوظ ہے۔

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداح علیؑ کا مرتبہ اعلا ہے
غالبؔ اسدؔ اللہ کی خدمت میں گئے

اسی طرح ایک اور رباعی میر انیؔس نے اپنے سمدھی میر مہدی علی لکھنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی جو اس مجموعۂ رباعیات میں شامل ہے۔ میر انیؔس صرف ایک بار حیدرآباد دکن گئے جہاں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور تمام حیدرآباد انیسہ ہو گیا۔ انیؔس کی دو رباعیوں میں امرائے حیدرآباد اور عوام حیدرآباد کو دعائیہ انداز میں خراج پیش کیا گیا ہے۔

اللہ و رسولؐ حق کی امداد رہے
سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نوّاب ایسا رئیسِ اعظم ایسے
یارب آباد حیدرآباد رہے

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں
مختار الملک و بندگانِ عالی
رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

سید محمد عباس لکھتے ہیں میر انیؔس نے اپنی پہلی مجلس جو حسینۂ اکرام اللہ خان لکھنؤ میں ہوئی ذیل کی رباعی پڑھی جس کی بہت تعریف ہوئی:

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علَم
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

۱۸۵۷ء کے بعد غدر میں لکھنؤ لٹ گیا۔ عزاداری بڑی حد تک متاثر رہی۔ غدر کے بعد کے محرم میں برسات نے بھی مجالسوں کو بے رونق کر دیا تو میر انیسؔ نے یہ رباعی پڑھی۔

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے اس سال
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

اسی زمانے میں میر انیسؔ کی ایک مشہور مجلس جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوئے تھے جو نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری کٹڑہ ابوتراب خان میں انیسؔ نے پڑھی جہاں اتنا بڑا مجمع انیسؔ کو سننے کے لیے جمع ہوا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں رہی۔ یہ رباعی فی البدیہہ اُسی مجلس کی یادگار ہے۔

اُمید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیسؔ
ملتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

اسی غدر سے متاثر ہو کر انیسؔ نے استغاثہ کیا تھا۔

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک، نکل چلو جلد انیسؔ
اب یاں کی زمیں اور فلک اَور ہوا

کلامِ انیسؔ کی قدر:

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کے عظیم ہنر مندوں اور تخلیق کاروں کو اپنے دور کے لوگوں سے شکایتیں رہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ چنانچہ بعضوں نے خود کو ''عندلیب گلشن ناآفریدہ'' کہا تو کسی نے اپنے آپ کو ''شاعرِ فردا'' اور کوئی ہمصرانِ کہن سے مایوس اور ناامید رہا۔ میر انیسؔ نے بھی چند اشعار میں اس ناقدری کی شکایت کی ہے۔ سچ یہ بھی ہے کہ چند سخن شناس اور اہلِ کمال جو میر انیسؔ کے ہم عصر تھے۔ وہ میر انیسؔ کے کلام کے ایسے قدر داں تھے کہ آج تک کوئی ان کا ہم پلّہ انیسیا پیدا نہ ہوسکا۔ یوں تو ہر دور میں انیسؔ کے کلام پر نقد وتبصرہ ہوتا رہا لیکن اس تنقید کی رسائی خود محدود تھی جو ناقدین کے ذوق سخن اور سخن شناسی پر محیط تھی۔ بلند قامت شاعر اور نابغۂ روزگار تخلیقی شخصیت کو کمترِ درجہ اور فکر کے افراد پوری طرح درک نہیں کرسکتے، چنانچہ اس المیہ سے دوچار انیسؔ شناسی بھی رہی۔ انور سدید نے ''میر انیسؔ کی اقلیم سخن'' میں بہت صحیح لکھا ہے۔

> ''میرزا غالبؔ کو اپنے زمانے سے ناقدری کا شکوہ تھا لیکن وہ خوش قسمت تھے کہ انھیں حالؔی اور تفتہؔ جیسے شاگرد دورانِ حیات اور عبدالرحمٰن بجنوری جیسے قدرداں بعد از ممات ملے جنھوں نے ان کی زندگی اور شاعری کی مختلف جہتوں کو محفوظ رکھنے کی اولین کوشش کی اور غالب کی زندہ شخصیت اور اس کے جاوید کلام کو بقائے دوام کا درجہ حاصل ہوگیا۔ میر انیسؔ کو اپنے

زمانہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کا مرثیہ پورے لکھنؤ
کی آبرو سمجھا جاتا تھا جس مجلس میں پڑھتے تِل دھرنے کی جگہ نہ
ملتی۔ پورا لکھنؤ ٹوٹ پڑتا۔ تاثر اتنا گہرا ہوتا کہ آہ و بکا اور نالہ و
شیون کا شور از زمین تا آسمان بپا ہوجاتا۔ آنکھیں گریہ غم سے
اتنی بوجھل ہوجاتیں کہ سیلاب اشک بہہ نکلتا۔ ان کے اپنے عہد
نے ان کے بلاغت و بیان پر قدر دانی کی جو مہر ثبت کی تھی زمانہ
اس پر تو کوئی گرد نہیں ڈال سکا لیکن ان کے حلقۂ احباب میں
کوئی خالی نہیں تھا جو ان کے حالات زندگی جمع کرتا اور پھر کوئی
بجنوری بھی پیدا نہ ہوا جو یہ پرکھتا کہ انیسؔ نے کتنے بڑے المیہ کو
بیسویں صدی کے انسان کے سبھی تجربے کا حصّہ بنادیا ہے۔ نتیجہ
یہ ہے کہ میر انیسؔ کے حالاتِ زندگی ماضی کے اوراق میں گم
ہوچکے ہیں اور اس کے فن کی تحسین موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ سے
آگے نہیں بڑھی۔''

شعر فہمی کے لیے سخن دانی، سخن شناسی، علمیت، وسیع اساتذہ کے اشعار
کے مطالعہ کے ساتھ سب سے اہم چیز ''ذوقِ سلیم'' ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو شعر
کی گیرائی اور گہرائی تک احساس کی طاقت کو مہمیز کرتی رہتی ہے جس کے نتیجہ
میں جذبات متحرک ہوجاتے ہیں اور شعر رگ و پے میں عمر بھر کے لیے جذب
ہوجاتا ہے۔ اسی لیے سخن شناسوں نے شعر کہنے سے زیادہ مشکل کام شعر کے
سمجھنے کو بتایا ہے۔

شعر گفتن گرچہ دُر سفتن بود
لیک فہمیدن بہ از گفتن بود

یعنی اگرچہ شعر کہنا موتی پرونا ہے لیکن شعر سمجھنا اس کام سے بھی بڑا عمل ہے۔ میر انیسؔ کو احساس تھا کہ ان کے اشعار کی پوری طرح قدر و قیمت نہیں کی جا رہی ہے۔ صرف چند اہلِ علم تھے جو انیسؔ کی شاعری کے نفسیاتی نکتہ کو محسوس کر کے ان کی معجز بیانی سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن زیادہ تر عوام سطحی طور پر شعر کو پرکھتے۔ اسی لیے انیسؔ نے کہا تھا:

درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

بینائے رقوماتِ ہُنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

اردو ادب کا کوئی شاعر محاورہ بندی میں میر انیسؔ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میر انیسؔ کے مرثیے، سلام اور رباعیات صحیح محاوروں سے بھرے پڑے ہیں۔ کئی جدید محاورے ایسے ہیں جنھیں شاعروں نے ہاتھ بھی نہ لگائے تھے حیف کہ میر انیسؔ کو مرثیہ کا شاعر کہہ کر ان کی شاعری سے منہ موڑ لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو ادب کا دامن ان جواہرات سے مملو ہونے کے باوجود تہی دامن رہا۔ صاحب فرہنگ آصفیہ جناب سید احمد دہلوی نے میر انیسؔ کو محاورات کا بادشاہ کہا ہے۔ ان اشعار اور مصرعوں میں محاورے دیکھیے۔

رباعی	شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا	(دل جلنا۔محاورہ)
	آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا	(دھواں منہ سے نکلنا۔محاورہ)
	افسوس کہ میداں میں بنۓ قاسم نے	
	دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا	(ہاتھ ملنا۔محاورہ)
ع=	آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب	(نصیب کا سونا۔محاورہ)
ع=	تا حشر رہے گا نام اس سے روشن	(نام روشن ہونا۔محاورہ)
ع=	تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرہ اترا	(چہرہ اترنا۔محاورہ)
ع=	کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا	(سیاہ پوش ہونا۔محاورہ)
ع=	تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاد	(ہاتھ دھونا۔محاورہ)
ع=	چشم بد دور بزم ماتم ہے نور	(چشم بد دور۔محاورہ)
ع=	آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس	(آنکھوں کو بچھانا۔محاورہ)
ع=	الٹا دریا بہا، ہوا بگڑی ہے	(محاورے۔الٹا دریا بہنا ہوا بگڑنا)
ع=	آتا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انیس	(فارسی محاورہ۔آبِ رفتہ در جوب برنمی گردد)

میر انیس نے بعض مصرعوں میں آیات احادیث اور عربی فقرے بڑی مہارت سے اس طرح پیوست کر دیے ہیں کہ وہ اجنبی معلوم نہیں ہوتے اسی طرح کا عمل میر انیس بعض ادق اور غیر مانوس الفاظ کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔

ع = اک غلغلۂ جزاکم اللہ ہوا

ع = ان کے لیے گویا من وسلوا اُترا

ع = کعبہ کو یداللہ نے آباد کیا

ع = جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا

ع = ہے وارد ھل اتی عطائے حیدرؑ

ع = ہنس کر طوبیٰ لکم علیؑ کہتے ہیں

ع = اک پارۂ نان کے لیے لاحول ولا

ع = ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حَیّ و قدیرؒ

ع = ہر سانس میں لا الہٰ الا ھو ہو

ع = اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

ع = اے حضرت صاحب الزماں ! ادرکنی

ع = روحی بہ جان فدا یا حسینؑ ابن علیؑ

ع = امدادِ امامؑ قل کفی کافی ہے

ع = جب صلی علیٰ نبیؐ والہ کہیے

میر انیسؔ کو الفاظ پر وہ قدرت حاصل تھی کہ وہ ان کو دوسرے الفاظ سے ملا کر نئے نئے تراکیب تراشتے۔ میر انیسؔ نے سیکڑوں نئی تراکیب بنائی ہیں ہم یہاں چند تراکیب جوانھوں نے رباعیات کے اشعار میں خلق کیں ہیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

نادر اور جدید تراکیب اور اضافات الفاظ

بندِ اجل، حظِّ جوانی، بابِ خیر، فرطِ بکا، چاہِ دنیا، نخلِ خاکساری، رفیقِ تربت، لطفِ سینۂ صافی، سیر التاثیر، راہِ رضا، چراغِ دودماں، کربلائی تسبیح، حلالِ مہمات، عزو جاہ ذاکر، مخزنِ علومِ نبویؐ، خالقِ ذوالفضل و کرم، فکر نان و اندوہ لباس، سدِّ رمق، ساغرِ استغنا، دستِ مژہ، مشکِ ختنِ نظم، نافہ کشائے سخن، مردمِ آبی، قفلِ ابجد، سرمۂ سلیمانی، غرورِ خاکساری، مجیب الدعوات، میوۂ نخل قدِ انساں۔

حمدیہ نعتیہ اور منقبتی کلام کے نمونے

میر انیسؔ نے تقریباً تین درجن کے قریب عمدہ حمدیہ اور مناجاتی رباعیات کہی ہیں۔ ہم ان رباعیات پر آگے کے صفحات میں تبصرہ اور ان کا تجزیہ کریں گے۔

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بُلبُل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگِ جاں سے اور پھر اُس پر یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حضورؐ ختمی مرتبت کے بدن کا سایا نہ ہونے کی لطیف دلیل ہے۔
اللہ ری لطافت تنِ پاکِ رسولؐ
ڈھونڈا کیا آفتاب سایہ نہ ملا
حضورؐ کی معراج کے مضمون پر یہ شعر دیکھئے۔
باریک ہے ذکرِ قربِ معراجِ رسولؐ
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

شق القمر و رجعت خورشید مبین
احمدؐ کے لیے وہ اور یہ حیدرؑ کے لیے

میر انیسؔ نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث ''میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں'' نقل کی ہے۔

یہ باب میں حیدرؑ کے نبیؐ کہتے تھے
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

ساحل پہ ابھی تھا کہ اُدھر جا اُترا
نہ شرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

یا ختمِ رسلؐ! مست مَے اُلفت ہیں
قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضورؐ کو، خدا کو دیکھا
اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابنِ ابی طالبؑ سے
جب شاہِ عربؐ ملے تو رب کو پایا

غالبؔ کی طرح انیسؔ کے پاس بھی حضرت علیؑ کا عشق ان کے کلام کے ہر لفظ سے ٹپکتا ہے اور شاید علامہ اقبالؔ بھی اسی منقبتی ڈکشن کی توسیع ہو۔ علیؑ کا نام آتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیسؔ کی طبعیت جھوم جھوم کر نذرانہ پیش کررہی ہے۔ یوں تو منقبتی رباعیات کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے جن میں اغلب حضرت علیؑ کی شان میں ہیں۔ منقبت کے اس گلزار کی سیر حاصل گفتگو ہماری اس اجمالی تحریر میں ممکن نہیں اس لیے صرف بمقدار زعفران کے رنگ اور خوشبو کے ساتھ کام ذہن کا بندوبست ہوسکے ہم صرف چند رباعیات اور کچھ رباعیات کے اشعار اور مصرعوں کو پیش کریں گے تاکہ خواص وعوام دیوان میں موجود تمام منقبتی رباعیات سے متعارف اور مستفید ہوسکیں۔ میر انیسؔ نے تقریباً دس رباعیات حیدرؑ کی ردیف میں نظم کی ہیں۔

ہے چادرِ نورِ حق ردائے حیدرؑ
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدرؑ
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو مَلک
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدرؑ

دنیا سے اُٹھا لے کے میں نامِ حیدرؑ
جنت کو چلا بہرِ سلامِ حیدرؑ
عصیاں ہوئے سدِ رہ تو رضواں نے کہا
آنے دو، اسے ہے یہ غلامِ حیدرؑ

ساقی شرابِ حوضِ کوثر حیدرؑ
حامی حیدرؑ، شفیعِ محشر حیدرؑ
پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
میں قبر سے چلّاؤں کہ حیدرؑ حیدرؑ

ع= جامِ عرفاں ہے چشمِ مست حیدرؑ
ع= گلدستہ باغِ دیں ہے دستِ حیدرؑ
ع= شاہان جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
ع= قرآں میں ہے جابجا ثنائے حیدرؑ
ع= تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ
ے ہوجاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
آئینۂ نور ہے مزار حیدرؑ
ے یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

(اس عمدہ شعر میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے ناموں کے ساتھ کثرت اضافت کے باوجود صنعت جمع کی دلربائی اور مولا علیؑ کی مشکل کشائی کی ضمانت شامل ہے)

ے ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد
ہیں اسم تو دو مگر مسمّی ہے ایک

معبود کے عبد ہیں نصیری کے خدا
بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائی میں نہیں

٭پنجتنؑ پاک کی شان میں خوب صورت رباعی کہی ہے کہ لوح وقلم کا مقصد ان کی مدح سرائی ہے۔

جب لوح و قلم ہوے قرانِ السعدین
فرمانے لگے یہ اُن سے ربِّ کونین
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا
ہیں احمدؐ و حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

مشہور واقعہ ہے کہ میر انیسؔ نے جب بچپن میں شاعری شروع کی تو اپنا تخلص حزیںؔ رکھا۔ ہمارے درمیان کوئی منظوم تحریر ایسی نہیں جس پر یہ تخلص درج ہو۔ کہتے ہیں جب میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ نے انیسؔ کو ناسخؔ کی شاگردی میں پیش کیا تو ناسخؔ نے میر انیسؔ کا تخلص میر ببر علی حزیںؔ سے میر ببر علی انیسؔ کردیا۔غزل گویوں کے مقابلے میں مرثیہ گویوں کو تخلص کہنے کے مواقع اس لیے بھی کم ہوتے ہیں کہ ایک طرف غزل کے چھ شعر کے بعد تخلص لایا جاتا ہے اور دوسری طرف چھ سو اشعار کے بعد بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن میر انیسؔ نے حسب ضرورت مرثیوں اور سلاموں میں اپنا تخلص رکھا جو زبان زد عام ہوگیا۔

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

ـ خیال خاطر احباب چاہیے ہردم

انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آب گینوں کو

ـ خدا بات رکھے جہاں میں انیسؔ

یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

ـ تجھ پہ شہؑ کی نظرو عنایت ہے انیسؔ

یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست ہے انیسؔ

بعض غزل کے شاعروں نے اپنے تخلص سے خاص استفادہ کیا ہے جس کو صنعت حُسنِ تخلص کہتے ہیں جن میں مومنؔ، دردؔ، غالبؔ، داغؔ اور دلؔ وغیرہ شعرا شامل ہیں۔ انیسؔ نے سلاموں اور رباعیات میں تخلص کو مضمون کے بیان، فن کے تعارف، عجز انکساری اور اغلب دعائیہ اور مناجاتی انداز بیان میں صرف کیا ہے۔ میر انیسؔ کی تقریباً دس فیصد رباعیات میں تخلص نظر آتا ہے اگر ان مصرعوں کو ایک موتیوں کی لڑی سے پرو کر دیکھا جائے تو میرؔ صاحب کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کے فن پر خوبصورت اور صحیح معلومات بھی حاصل ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم نے بغیر کسی مزید تشریح اور توضیح کے سلسلہ وار تخلصی اشعار اور مصرعوں کو یہاں رکھا ہے۔

1 پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیسؔ

ہنگامِ غروبِ آفتاب آپہنچا

2 تنہائی میں آہ کون ہوئیں گے انیسؔ

ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

3 اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا
بے سود انیسؔ ہر دوا کو دیکھا

4 سمجھے کہ خلافِ رسم عالم ہے انیسؔ
جس دم کسی بادام کو توأم دیکھا

5 ناکام چلے جہاں سے افسوس انیسؔ
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

6 عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیسؔ
کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انیسؔ منہ ڈھانپ کے سو نہیں سکتے تھے)

7 اُس روز کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

(جب میر نفیسؔ فرزند اکبر نے انیسؔ کی سوئم کی مجلس میں یہ شعر پڑھا تو سامعین کے رونے سے کہرام بلند ہوا)

8 اٹھو اب انتظار کس کا ہے انیسؔ
نے عمر پھرے گی نہ شباب آئے گا

9 پیاسے رہے آ کے چاہِ دنیا پہ انیسؔ
نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

10 راحت دنیا میں غیر ممکن ہے انیسؔ
آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

11 آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاوں میں انیسؔ
ملتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

12 کشتی سے انیسؔ ہم کنارے ہو جائیں
الٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

13 لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیسؔ
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

14 کچھ پھل نہ ملے گا سینؔ تحسیں سے انیسؔ
یہ نخل ترقی کے لیے اڑہ ہے

15 کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیسؔ
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

16 یہ بے خبری ہزار افسوس انیسؔ
بڑھتے ہیں گنہ عمر گھٹی جاتی ہے

17 راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیسؔ
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

18 مرنے کا تو دن گزر گیا شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

19 دل بت سے اٹھا کے حق پرستی کیجیے
بے تیغ انیسؔ قطع ہستی کیجیے

20 یہ ہے غمِ شبیرؑ کی تاثیر انیسؔ
آواز قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

21 نازاں نہ ہوں دل سوزی ظاہر پہ انیسؔ
جلتی نہیں شمع اہل ماتم کے لیے

22 کیوں نام کفن لے کے لرزتا ہے انیسؔ
اک دن یہ قبا زیب بدن ہونی ہے

23 مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیسؔ
اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

24 ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

25 دیکھا نہیں جس کو اُس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

26 پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ
قنبر کا جو مولاؐ ہے غلام اس کا ہوں

27 رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا
پھر قصرِ جناں انیسؔ مر کر لے تو

28 پختہ دانہ زمیں سے اگتا ہے انیسؔ
سرسبز ہو کیوں کر کہ ابھی خام ہے تو

29 گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیسؔ
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

30 رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاوں انیسؔ
اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

31 ایّام شباب کس کو کہتے ہیں انیسؔ
موسم طفلی کا تھا کہ پیری آئی

32 افسوس یہ عصیاں یہ تباہی دل کی
کی خوب انیسؔ خیر خواہی دل کی

33 باندھو کمر آداب بجا لاؤ انیسؔ
فرمانِ طلب حضور سے آیا ہے

34 اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیسؔ
پہنچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

35 عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیسؔ
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

(اس مقطع میں بنداجل کی ترکیب بہت نئی اور عمدہ ہے۔ مزید یہاں صنعت مراعات النظیر کی کارفرمائی بھی ہے یعنی عقدے، بند، حل وغیرہ)

36 جب ہوش میں آ کے تھم گئی طبع انیسؔ
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اترا

37 پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ انیسؔ
زاد سفر مرگ، مہیّا نہ کیا

38 مرقد میں انیسؔ نہ کفن میں ہوگا
وہ روضۂ سلطان زمن میں ہوگا

39 مضمون انیس کا نہ چربا اترا
اترا بھی تو۔ کچھ بگڑ کے نقشا اترا

40 سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

41 بالوں پہ غارِ شیب ظاہر ہے اب
ہشیار انیس تو مسافر ہے اب

42 اک ناں ہے انیس دست دو نانِ سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

43 پیری سے بدن زار ہوا زاری کر
دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر

44 تقدیر نے بیڑیاں یہ کاٹی ہیں انیس
کیوں رگ گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

45 نوابی و شاہی نہیں درکار انیس
گر سد رمق ملے سکندر ہوجائیں

46 صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
ذرّ ایک طرف نور خدا ملتا ہے

47 اللہ ری ترے سخن کی تاثیر انیس
رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

48 اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انیس
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

49 لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیسؔ
خالص ہے جو مُشک آپ بو دیتا ہے

50 آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیسؔ
ہم اس کو نظر آئیں گے جو بینا ہے

51 گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیسؔ
تا حال زباں کو شوقِ دُر ریزی ہے

52 بیدار اگر ہوں بخت خوابیدہ انیسؔ
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے

53 آتا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انیسؔ
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

54 اللہ رے زور ناتوانی کا انیسؔ
آوازۂ مرگِ دل ہے آواز میری

55 ماشاء اللہ چشم بد دور انیسؔ
کیا مجمع مومنیں ہے کیا مجلس ہے

56 یوں خاک شفا میں مر کے مل جاؤں انیسؔ
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

57 روتے ہو انیسؔ کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہوجائے گی

58 دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیسؔ
مہمان اجل آئے تو مرجاتے ہیں

59 اے وائے انیسؔ پختہ کاری تیری
سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

انیسؔ کی تعلّی اور تعارف

اگرچہ میر انیسؔ نے اپنے تعارف میں اور اپنے فن کے کمال کی بابت کئی مرثیوں اور سلاموں کے اشعار میں تعلّی کی ہے لیکن چونکہ اس مضمون میں ہمارا موضوع رباعیات ہے اس لیے صرف رباعیات کے مصرعوں کے موتی چُن کر انیسؔ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے انہی کے فن پر نچھاور کرتے ہیں۔

میر انیسؔ نے اپنی پہلی مجلس کے آغاز میں ہی جس تاج، تخت اور علم پر افتخار کیا تھا وہ ان کی آخری مجلس تک برقرار رہا۔

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا عَلَم
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

اللہ اللہ عزّ و جاہِ ذاکر
دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر
پنجہ جو عَلَم کا سرِ منبر ہے انیسؔ
ہے دستِ علمدار پناہِ ذاکر

مجلس میں انیسیہ مخالف گروہ دبیریئے دونوں جمع رہتے تھے۔ دبیرئے میر صاحب کے اشعار خاموشی سے سنتے سر دُھنتے لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ مجلس کے اختتام پر میؔر صاحبؔ کے اشعار پر گلی کوچوں دفاتر اور بازاروں میں گفت وشنید جاری رہتی۔ سب سے پہلے ہم پیش کرتے ہیں چند رباعیات جو ریاضت سخن اور کمال فن پر ہیں۔

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں
مانند نگہ، بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں، مرغِ معانی بچ کر
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیؔس
ہم اُس کو نظر آئیں گے جو بینا ہے

میرا نیسؔ کی تعلّی بھی حقیقت ہے یہاں عجز ہے لیکن مبالغہ نہیں۔

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اِک نعرۂ آفرین و تحسیں ہو جائے
جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

کس منھ سے کہوں لائقِ تحسیں ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

ایک اور رباعی کے آخری شعر میں کہتے ہیں:

لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیسؔ
خالص ہے جو مُشک آپ بو دیتا ہے

مخالفان جو ہنر کو بھی عیب کی نظر سے دیکھتے تھے اور سکوت اختیار کیے رہتے ان کا بھی ذکر بعض رباعیات میں دلچسپ طور پر ملتا ہے۔ ذیل کی رباعیات میں تندی اور نمکینی کا امتزاج دیکھیے۔

بے جا نہیں مدحِ شہؑ میں غرّا میرا
بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا

مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سن کے روز مرّا میرا
کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ ری ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثلِ شمع، جلنے والے

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوے دوستانِ یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ناقدریِ احباب سے حیراں ہوں میں
آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں
ہے اِک نظرِ لطف ہماری قیمت
بینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

انہی مجالس میں دبستانِ انیسؔ اور دبیرؔ کے درمیان مضامین کی چوری کا
ایک دوسرے پر الزام دینے کی رسم کا رواج عام تھا۔ دونوں طرف تھی آگ برابر لگی

ہوئی۔میر انیسؔ فرماتے ہیں:

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدانِ مضامیں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ایک اور رباعی کے دوسرے شعر میں کہتے ہیں:

منبر سے ہم اترے نئے مضموں پڑھ کر
اُن کے لیے گویا من و سلوا اُترا

بہر حال اس چشمک اور ادبی معرکہ گیری نے دونوں حریفوں کو بلند پایہ شعری تخلیقات پر مائل کر کے شاعری کے پلّہ کو گراں کر دیا۔کبھی انیسؔ کہتے ہیں:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے نکتہ چینوں کو

کبھی دبیرؔ کہتے ہیں:

دُزدان مضامیں پہ نہ کر منع کی تاکید
تو مجتہد نظم ہے فرض ان پہ ہے تقلید

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں عظیم شاعر بزبان انیسؔ یہ کہہ سکتے ہیں:

سبک ہو رہا تھا ترازوئے شعر
مگر پلہ ہم نے گراں کردیا

رباعیوں پر اعتراضات:

خدائے سخن میر انیس کے کلام پر جب بنگال کے رئیس نساخ نے غلطیوں کا طومار شائع کیا تو برصغیر کے ہر گوشے سے تف ولعن کی گئی کیونکہ اغلب مراثی، سلام اور رباعیات کے غلط مصرعوں کولکھ کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی کہ انیس جیسے قادرالکلام شاعر کے پاس اَن گنت اغلاط ہیں اور مضمون صحیح نظم نہیں کیا گیا۔ بہرحال ہماری اس تحریر میں اس بات کی گنجایش نہیں کہ ہم تفصیل سے نساخ کے طومار کو نسخ کرسکیں لیکن یہاں رباعیوں کی نسبت سے گفتگو کو بغیر کسی تمہید اور تفسیر کے ساتھ اعتراض اور اس کا جواب پیش کرتے ہیں۔ نساخ رباعی لکھ کر اعتراض پیش کرتے ہیں۔

''گھر چھوڑ کے بہرِ جستجو نکلیں گے
اس گلزارِ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
اس چاہ میں گرتے تو ہیں بصورتِ دلو
پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے''

اس رباعی کا تیسرا مصرع ناموزوں ہے۔ شاید بزورطبع موزوں اوزان رباعی میں کوئی نیا وزن نکال کے لکھ دیا ہے۔'' راقم کی تحقیق کے مطابق تقریبا

ڈیڑھ سو سال قبل کے قلمی اور سوا سو سال پرانے مطبوعہ نمونوں میں یہ رباعی صحیح اوزان رباعی میں اس طرح ہے:

گھر چھوڑ کے بہرِ جستجو نکلیں گے
اس باغِ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے

نسّاخ ایک اور رباعی کے مصرع غلط لکھ کر کہتے ہیں اس رباعی کا دوسرا مصرع ناموزوں ہے:

کہتی تھی سکینہؑ قتل بابا دیکھا
بھیّا علی اصغرؑ کا خوں میں لاشا دیکھا
زنداں میں پھنسی اور طمانچے کھائے
اس تین برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

یہ رباعی بھی میر انیسؔ کے کسی مطبوعہ کلام میں نہیں۔ صحیح رباعی یہ ہے:

کہتی تھی سکینہؑ، گھر کا جلنا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

جن لوگوں نے میر انیسؔ کو پڑھا ہے وہ مصرعوں کے رنگ اور لفظوں کے ڈھنگ سے پہچان لیتے ہیں کہ جو رباعی نما چار مصرع نساخؔ نے میر انیسؔ کے نام سے لکھ کر غلط بیانی کا الزام اپنے سر لیا وہ اُس انیسؔ لکھنوی کے نہیں جس کے فرمان کو دنیا مانتی ہے۔ جب وہ کہتا ہے:

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری

اس کی طرح کاوشیں شبلیؔ نعمانی نے بھی دبیرؔ کے حق میں کیں جس کو سخن فہم، سخن شناس اور سخن داں حضرات کبھی بھلا نہیں سکتے۔ یہ غلط نمونہ برداری، غلط انتساب اور غلط نتیجہ گیری جس کا مقصد کسی تخلیق کار کی عمر بھر کی کمائی کو لٹنا اور اس کی شخصیت اورفن کی ملکیت کا برباد کرنا نہیں؟ کیا یہی ادبی دہشت گردی نہیں؟ ہم میں کم از کم اتنی تعیادلانہ ہمّت ہونی چاہیے کہ ہم مصلحتاً مظلوم اور حقدار کی حق بیانی نہ کر سکیں تو ظالم کی بھی طرف داری نہ کریں۔ انیسؔ نے کہا تھا:

ع: سب کچھ ہے اس دنیا میں پر انصاف نہیں ہے

میر انیسؔ مشاہیرِ شعر و ادب کی نظر میں

ہم یہاں اُردو شعر و ادب کے عظیم مشاہیر کے بیانات جو میر انیسؔ کی قدر دانی میں ہیں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

مرزا غالب:اردو زبان نے انیسؔ اور دبیرؔ سے بہتر مرثیہ گو نہیں پیدا کیے۔ ایسے مرثیہ گو ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ انیسؔ کا مرتبہ نہایت بلند ہے (یادگار غالبؔ۔ واقعات انیسؔ) میر انیسؔ کے مقابلہ میں دوسرے کا مرثیہ کہنا میر انیسؔ نہیں بلکہ خود مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے آج دلّی اور لکھنؤ میں میر انیسؔ کی مرثیہ گوئی کو معجزۂ کلام مانا جاتا ہے۔

(حیات انیسؔ۔ امجد اشہری)

شیخ ناسخؔ: ایک دن ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔

خواجہ آتشؔ: کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ باللہ تم شاعر گر ہو اور

شاعری کا مقدس تاج تمھارے سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔ بھئی اس میدان میں تمھارا سامنا ایک نہیں کرسکتا۔ انیسؔ کے مرثیہ پر سیکڑوں غزلوں کے دیوان صدقے کئے جاسکتے ہیں۔

مرزا دبیرؔ:

تازہ مضموں نظم می فرمود در ہر بحرِ شعر
چشمۂ چشم شود ہم چشمِ کوثر بے انیسؔ
آسماں بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین
طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ

دبیرؔ میر انیسؔ کی میت پر جاکر روئے اور فرمایا ایسے معجز بیاں، فصیح اللسان اور قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ زندگی میں لطف نہ رہا۔

محمد حسین آزادؔ: جس طرح انیسؔ کا کلام لاجواب تھا اسی طرح ان کا پڑھنا بے مثال تھا۔ ان کے گھرانے کی زبان اُردو معلّٰی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی۔ ان کے ذریعہ ہماری نظم کو عفوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی۔

مفتی میر عباس لکھنوی:

بود از قلم اش مایۂ دکانِ حلاوت　　　می زد رقمش موج بہ دریائے سلاست

می ریخت زِ کلکش شکر و شیر فصاحت   بر خوانِ سخن بود ازو شورِ ملاحت
تا رفت ہمہ نعمتِ ایوانِ سخن رفت   از رحلتِ او قدرت و امکانِ سخن رفت

الطاف حسین حالیؔ: الفاظ کو خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کرنے کو اگر معیارِ کمال قرار دیا جائے تو بھی میر انیسؔ کو اردو شعرا میں سب سے برتر ماننا پڑے گا۔ میر انیسؔ کے ہر نقطہ اور ہر محاورہ کے آگے اہلِ زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اگر انیسؔ چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتے اور اسی سوسائٹی میں پروان چڑھتے جس میں فردوسیؔ پلا بڑھا تھا وہ ہرگز فردوسیؔ سے پیچھے نہ رہتے۔ رباعی

اُردو گو راج چار سو تیرا ہے   شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیسؔ کا سخن ہے باقی   تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلّی کی زبان کا سہارا تھا انیسؔ   اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیسؔ
دلّی جڑ تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار   دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیسؔ

شیخ عبدالقادر: اڈیٹر مخزنِ لاہور، بابت دسمبر ۱۹۰۶ء

”میر انیسؔ مرحوم اس جہاں سے اٹھ گئے۔ مگر ان کا نام زندہ ہے جب تک اردو علم و ادب اور اردو دنیا میں بولی اور سمجھی جائے گی۔ مرثیہ کو ہندستان

میں میر انیسؔ مرحوم اور انؔ کے معاصرین کے زمانے میں وہ عروج
حاصل ہوا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔"
"انیس کی شاعری میں علاوہ صداقت و اثر کے شاعری کے دیگر
لوازماتِ تمام وکمال پائے جاتے ہیں۔ تشبیہہ واستعارہ کے وہ بادشاہ
ہیں اور کبھی تشبیہہ کے معاملے میں اپنے حلقے کے دیگر شعراء کی تقلید
میں صحتِ مذاق کا خون نہیں کرتے۔ بلکہ غیر معمولی نازک خیالی وحسن
بیان کا ثبوت دیتے ہیں۔ کسی خوبصورت نوجوان کے رخ پر سبزہ آغاز
ہوتے دیکھ کر اس سے بہتر کیا تشبیہہ سوجھ سکتی ہے کہ:

ع: دیکھوتئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

یا اس سے بہتر کیا مطالعۂ فطرت کا ثبوت ہوگا کہ خزاں کے موسم میں
درختوں کے پتوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی جائے:

ع: پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے

غرض کہ اس قسم کی نازک خیالی کی مثالیں انیسؔ کے کلام میں سیکڑوں
کیا ہزاروں دی جاسکتی ہیں۔ نازک خیالی ان کا خاص جوہر تھا۔"

نوبت رائے نظرؔ: لکھنؤ میں سبزی منڈی کی پشت پر ایک سنسان مقام پر ایک
مختصر سی عمارت نظر آتی ہے جس میں وہ شخص آرام کررہا ہے جو بالمیکؔ
اور ہومرؔ، شیکسپیئرؔ اور فردوسیؔ ایسے یگانۂ آفاق شاعروں کا ہم پلّہ تھا اور
جس نے اردو شاعری کو حدِ کمال تک پہنچادینے میں یدِ بیضا دکھایا

ہے۔ ہمارے نامور شعرا میں میرتقی میرؔ، مرزا محمد رفیع سوداؔ، شیخ امام بخش ناسخؔ، خواجہ آتشؔ اور مرزا غالبؔ اپنے اپنے رنگ کے موجد اور فردِ کامل تھے۔ لیکن ان سب کی صلائے فن کی خوبیاں جس ذاتِ واحد میں جمع ہوگئی تھیں وہ ''خدائے سخن'' انیسؔ تھے جنھوں نے مرثیہ کی ایک صنف میں تمام اصناف سخن کا جوہر کھینچ لیا تھا۔''

(مضمون۔ میر انیسؔ مغفور۔ مطبوعہ زمانہ کانپور، بابت فروری ۱۹۰۸ء)

مزاجؔ دہلوی: ''کبھی کسی زمانے میں لوگ بگڑے شاعر کو مرثیہ گو کہا کرتے تھے۔ مگر میر انیسؔ سے موجد کی اختراعات و ایجادوں نے بڑے بڑے شاعروں اور ملک الشعرا کے دم بند کردیے اور فنِ مرثیہ گوئی کو اہم و دشوار اور سنگلاخ سے سودا سخت کردیا۔ یہی باعث تھا کہ ہم عصر شعرائے ہندوستان نے متفق الزبان ہو کر کہہ دیا کہ بس حضور! حقیقی اور تحقیقی شاعر آپ ہیں۔ جیسا کہ فن مرثیہ گوئی کے بارے میں خود میر انیسؔ صاحب کا کلام ہے ؎

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر
مگر ہم نے پلّہ گراں کردیا

لیکن اللہ رے انکساری۔ جب کوئی سخن فہم آپ کی تعریف کرتا تو آپ کسی محبوب بشر سے فرماتے کہ بھائی شاعر کون ہے؟ میں تو دکھڑے (مصیبت) کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی خدا جانے جس طرح چاہیے ہوتا

ہے یا نہیں۔"

(تذکرۂ میر انیسؔ مرحوم، صفحہ۲۔۳ از مزاجؔ دہلوی ۱۹۰۷ء)

شبلی نعمانی: میر انیسؔ کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اس کے انھوں نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑوں مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم ہر درجہ کے الفاظ ان کو استعمال کرنے پڑے۔ تاہم ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی جذبات یا احساسات ایسے ہیں جہاں آ کر انیسؔ کا اصلی جوہر کھلتا ہے اور یہیں ان کی شاعری کی حد ان کے ہم عصروں سے جدا ہوتی ہے۔ میر انیسؔ کا کلام شاعری کی تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتیں۔

اکبرؔ الٰہ آبادی: انیسؔ کے کلام پر غور کرنا ذوق فہمی، نکتہ سنجی اور زبان شناسی کا فائدہ دیتا ہے۔

شادؔ عظیم آبادی: ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے آئے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر

عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوبصورتی اور بے تکلفی سے چن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع کر لیے تھے کہ اب جو چاہے اپنا دامنِ فکر بے کھٹکے بھر لے۔ فیاض مطلق کے دریائے فصاحت میں سے ایک ایک دُر بے بہا نکلا جس کی زرق و شرق سے ہمالیہ کی اونچی چوٹیوں سے لے کر بے آف بنگال تک دفعتاً جگمگا اٹھا۔ وہ کون۔ میر انیسؔ، بعض بعض سچے شعر میر تقی میرؔ کے اور اس کے بعد حقیقت کا انشائے راز کرنے والے اکثر فطرتی اشعار انیسؔ کے اگر پڑھے جائیں تو اردو کا بینا کار اور انگریزی سے واقف کار شاید شیکسپیرؔ سے پیچھے ان دونوں بزرگوں کو نہیں رہنے دے گا۔

امجد اشہری: مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی تصویر کھینچنے کا کمال اُردو شاعرو ں میں میر انیسؔ کا حصہ سمجھا جائے۔ میر انیسؔ کی شاعری میں ایک بڑا کمال یہ ہے کہ جس موقع پر جو الفاظ خاص اثر دے سکتے ہیں وہی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میں نے میر انیسؔ کو لکھنؤ میں مرثیہ پڑھتے دیکھا ان کے اعجاز وضاحت کے اظہار میں میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو وہ کچھ کہہ سکے اور زبان جو کچھ کہہ سکتی ہے۔ وہ اس کی ان دیکھی بات ہے۔

احسنؔ لکھنوی: خدائے سخن میر تقی میرؔ کے چھ دیوانوں سے (۷۲) نشتر ارباب بصیرت نے انتخاب کیے ہیں اور میر انیسؔ کے ترکش میں کتنے تیر ہیں یہ آج تک کوئی شمار نہ کرسکا۔

حامد علی خاں بیرسٹر لکھنوی: میر انیسؔ کی نسبت خدائے سخن سے کم درجے کے الفاظ بولنا سوئے ادب ہے۔

امداد امام اثرؔ: شعرائے نامی یعنی ہومر ورجل اور فردوسیؔ میں ابوالشعرا ہومر ہی ہے جس کے ساتھ میر صاحب کا موازنہ صورت رکھتا ہے۔ ورنہ ورجل جو ہومر کا تتبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اُن کی ہم پائیگی کا استحقاق فردوسیؔ کو حاصل ہے۔ میر صاحب کو فردوسیؔ ہند کہنا میر صاحب کی ایک بڑی ناقدر شناسی ہے۔ راقم کی دانست میں میر صاحب کی کریکٹر نگاری ہومر کی کریٹر نگاری سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ و شک میر صاحب وہ الہامی شاعر ہیں کہ تائید غیبی کے بغیر میر صاحب کا کمال کوئی بنی آدم پیدا نہیں کرسکتا۔ میر انیسؔ کا موید من اللہ ہونا ایک امر یقینی ہے۔

ڈپٹی نظیر احمد: آپ دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے ایک اُردو شاعر انیسؔ کو کیسی قدرت عطا فرمائی اور اس کے قلب پاک کو کیا نور بخشا ہے کہ وہ خاصان خدا کے

ارواح پاک کی باتوں کو اس پاک وصاف طریقے سے نظم کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہی ارواح پاک بول رہی ہیں اور یہ بات بغیر الہام کے غیر ممکن ہے۔ اس لیے میری رائے میں اور شعراء دنیا میں آ کر اپنے کسب علوم سے نامور ہوتے گئے۔ لیکن میر انیسؔ وہیں سے شاعر بنا کر بھیجے گئے تھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر گراہم بیلی:

"Anis employed an enormous number of words but preferred a simple, easy and flowing style. His family is famous for the use of pure and idiomatic Urdu. He had a wonderful power of description. This is seen best when he depicts human feelings, especially pathos and bravery or scenes of nature and fighting. He writes as if he had been present himself on the occasion which he describes and as if the people had spoken the very words which he has put down"

(History of Urdu Literature (P.60) by Dr. Graham Baily)

نظم طباطبائی: میر انیسؔ کے مراثی پر تبصرہ کرتے ہوئے طباطبائی نے مراثی کی

اہمیت اور خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے: ''اس محفل میں یگانہ و بیگانہ، آشنا و نا آشنا، زباں داں و بے زباں سب اس کے مشتاق ہیں۔ کان اس آواز کو ڈھونڈتے ہیں جو دل دُکھا دے۔ آنکھ اُس رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی سماں دکھا دے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوت بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر اور ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے ہُن نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں آتا۔ مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں، ہنسنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چورنگ لگانے کی کبادہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی، مگر ایک شخص ہے کہ اس کا وار خالی ہی نہیں جاتا۔ نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔'' اس کے بعد نظم طباطبائی نے انیسؔ کا یہ مصرعہ پیش کیا۔

ع: جان آ گئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

پھر لکھتے ہیں: ''دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہے اور کتنے معنی اس مصرعے میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آئے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہو گیا کہ یکا یک:

جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا
جاں آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے۔ کیا اس کے سحر حلال ہونے میں کچھ کلام ہے۔"

(مرثیہ کا مطلع ہے۔ "ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں" تقی)

مولانا عبدالحیٔ ندوی: "انیس نے بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری میں بکثرت پیدا کردیئے۔ ایک واقعہ کو سو سو طرح سے بیان کر کے قوت متخیلہ کی جولانیوں کے لیے ایک نیا میدان صاف کردیا اور زبان کا ایک متعدد حصہ جس کو اب تک شاعروں کے قلم نے مس تک نہیں کیا تھا اور جو محض اہل زبان کے بول چال میں محدود تھا اس کو شعراء سے روشناس کردیا۔"

پنڈت سندر نرائن مشران: ایک بزرگ شخص نے حضرت انیس کے مرثیہ پڑھنے کا حال بیان کیا کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس میں خاموشی اور سناٹا ہوجاتا تھا۔ کوئی بات کسی سے نہ کرتا تھا۔ پہلے وہ آستین چڑھاتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے دل ہلنے لگتے تھے۔ پھر جب وہ مرثیے کا بستہ ہاتھ میں لیتے تھے تو رقیق القلب سامعین کو

رِقت شروع ہونے لگتی تھی۔ صرف چشم و ابرو کے اشارے سے جذبات کو ادا کرتے تھے۔ انیسؔ کی فطرت شناسی، واقعہ نگاری، منظر کشی، انیسؔ کی رفعت تخیل غرض انیسؔ کی شاعری کا ہر ہر پہلو ادبی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتا ہے۔
(خطبات مشران، صفحہ ۴۶، بزم اول مرتبہ نسیمؔ امروہوی مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۴۴ء)

براج نرائن چکبستؔ: زبان اور شاعری کی آئندہ اصلاح کے لیے میر انیسؔ کے اندازِ سخن اور رنگ بیان کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ جس غیر صحیح مذاقِ سخن کی بنیاد پر ہم قدیم رنگ سخن کی قدر نہ کرسکے اس کی مدد سے ہم زبان و شاعری میں نئے جوہر نہیں پیدا کرسکتے۔ رام چندر جی پر طویل مثنوی میں چکبستؔ اقرار کرتے ہیں کہ ''انیسؔ سے انھیں وہ ادبی اور شعری تربیت اور ہدایات ملی تھیں جن کے بغیر وہ اپنے ایک ایپک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔''

ذکاء اللہ: شمس العلما مولوی ذکاء اللہ سابق پرنسپل عربی کالج الٰہ آباد لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ کی وضاحتِ بیان اور ان کے طرزِ بیان کی دل فریب اداؤں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس

سے پہلے کبھی ایسا خوش بیان نہیں سُنا اور نہ کسی کے ادائے بیان سے یہ
مافوق العادت اثر پیدا ہوتے مشاہدہ کیا۔

امیر احمد علوی: ایک دن وہ تھا کہ میر صاحب نے فرمایا تھا ؎

گر قدر داں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب

اور ایک وقت وہ آیا کہ انیس کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدر
شناس موتیوں اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تحفہ
کے طور پر دوسرے شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔

عبدالحلیم شرر: میر انیس میں ساری تکلف اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والی
زبان کی وہ خوبیاں تھیں جو سوائے مبدائے فیاض کی عنایت کے سیکھنے سے
نہیں آسکتیں۔ انھوں نے فنِ مرثیہ گوئی کو شاعری کی اور تمام اصناف سے
بڑھادیا اور اُردو ادب میں وہ نئی چیزیں پیدا کردیں جن کو انگریزی تعلیم
کے اثر سے طبیعتیں ڈھونڈنے لگی تھیں۔

سرتیج بہادر سپرو: انیس ایک فطری اور پیدائشی شاعر تھے۔ شاعری ان کی گھٹی
میں پڑی ہے۔ پاکیزہ اور نکھری ہوئی اردو کے ماہر کی حیثیت سے ان
کا کوئی ہمسر نہیں۔ جدید ترکیبیں وضع کرنے کے نازک فن میں آج

تک کوئی ان سے آگے نہ جاسکا۔ ان کی تشبیہیں اور استعارے فطرت، حیاتِ انسانی اور جذبات کی نامعلوم گہرائیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بلا کی آمد ہے۔ ان کی زبان اس قدر پُرشکوہ ہے اور ان کی شاعری فنی حیثیت سے اس قدر مکمل ہے کہ ناقد کو ان کے باب میں مجالِ سخن نہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے مصنف نے ہمارے لئے انیسؔ سے زیادہ گراں قدر خزانہ نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ زبانِ اردو میں انسانی دماغ کے عمیق ترین خیالات و جذبات کے اظہار کا ذریعہ بننے کی کس قدر اہلیت ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اردو میں کتنی استعداد اور صلاحیتیں موجود ہیں۔

مخمورؔ اکبر آبادی: ''یونانی میں جو درجہ ہومرؔ یا فارسی ادب میں جو مقام فردوسیؔ کا ہے وہی اُردو میں انیسؔ کا ہے۔ انیسؔ سے پہلے مرثیہ صرف مذہبی و اعتقادی صنف نظم سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی نمایاں ادبی اہمیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ یہ فخر انیسؔ کا حصہ ہے کہ اردو زبان میں ایسے نئے اور پُرمغز باب کا ایسی قدرت اور حسن کمال سے اضافہ کیا۔ مرثیے میں پیکری حیثیت سے جو قوت و اثر لطافت و تازگی، سلاست و روانی انیسؔ نے پیدا کردی وہ اب تک متقدموں

سے ممکن نہ ہوئی تھیں۔.......... بہر عنوان مناظر کی نقاشی، میدان جنگ کی مصوری اور محبت کے علاوہ جرأت، ایثار، شرافت، انصاف، حق پسندی، حق گوئی جیسے بلند انسانی جذبوں کی مرقع کشی کے باب میں انیسؔ کے مرثیے ایلیڈ، اینیڈ، رامائن، مہابھارت اور شاہنامہ جیسی مقتدر اور معتصم بالشان لفظوں کے شاہکار ہیں جن سے اردو شاعری کا اخلاقی و تمدنی درجہ بہ مراتب بلند اور بہ منازل اہم ہو جاتا ہے۔'' (صحیفہ تاریخ اردو، از سید محمد مخمور رضوی اکبر آبادی، صفحہ ۲۲۷۔ ۲۲۹ سال اشاعت ۱۹۴۶ء)

جوشؔ ملیح آبادی:

تیری ہر موجِ نفس روح الامیں کی جان ہے　　تو مری اُردو زباں کا بولتا قرآن ہے
رزم کے میداں میں تو چلتی ہوئی تلوار ہے　　بزم کی محراب در میں کلک گوہر بار ہے
اے امامِ کشورِ جادو بیانی السلام　　اے کلیمِ طورِ الفاظ و معانی السلام

پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ: انیسؔ نے فن کو اس معراج پر پہنچا دیا۔ کہ نقاد کو ان کے باب میں مجال سخن نہیں۔ شاعری کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اس کے جو محاسن قرار دیے گئے ہیں اس کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کے اعتبار سے انیسؔ کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجے کی شاعری میں ہوگا۔ ایسی جامع صنف سخن انیسی مرثیے کے سوا اور کون ہے۔

جعفر علی خاں اثرؔ: کیا بے جا ہے اگر ہم انیسؔ کو زبان اُردو کا محسن اور اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی زبان کا ہم پلّہ بنا دینے والا مانتے ہیں کہ ہم میں انیسؔ سا شاعر پیدا ہوا۔

ابوالکلام آزادؔ: دنیائے ادب کو اُردو ادب کی جانب سے میر انیسؔ کے مرثیے اور مرزا غالبؔ کی غزلیں تحفہ تصور کی جائیں۔ ادبیاتِ اردو اور زبان اردو کو قصر گمنامی سے نکال کر مراثیِ انیسؔ نے بین الاقوامی ادبی سطح پر پہنچا دیا۔

پروفیسر احتشام حسین: میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مدِ مقابل قرار دیئے جا سکتے ہیں وہ ان کی انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسی کی مصوّری ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی: اردو زبان میں واقعہ نگاری کی بنیاد صرف مرثیہ گویوں نے ڈالی ہے اور میر انیسؔ نے اس کو معراجِ کمال تک پہنچایا جس کی مثال اردو کیا فارسی میں بھی مشکل سے ہی مل سکتی ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: انیسؔ کو زبان پر وہ قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر۔ جن الفاظ سے جس موقع پر جو کام لینا چاہتے ہیں وہ خادمانہ اطاعت کے ساتھ حکم بجالاتے ہیں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد: انیسؔ روزمرہ کا استعمال نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باتیں کررہا ہے۔ زبان میں روانی اور برش ذوالفقار کی سی تھی۔ اثر میں تیرونشتر سے کم نہیں۔ اگر انیسؔ سے پہلے اور بعد کی شاعری پر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو اس بات کا صحیح اندازہ ہوگا کہ انھوں نے اردو شاعری کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ انھوں نے مرثیے کو اردو نظم میں بلند ترین مقام دیا اور یہی وہ صنف شاعری ہے جس نے ہماری زبان کو شائستہ زبان کا ہم پلہ بنادیا۔ اگر ارسطو کا یہ نظریہ تسلیم کرلیا جائے کہ شاعری دراصل مصوری ہے تاہم یہ بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ میر انیسؔ کو دنیا کے شعرا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری: میر انیسؔ اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں ایپک کی جملہ خوبیاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ انیسؔ کی رزم نگاری سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وہ شاعر تھے۔ مورخ نہیں۔ انیسؔ کی خداداد صلاحیت کی بلندی اس سے ظاہر ہوتی

ہے کہ انھوں نے ہر مرثیہ کے واسطے اُتنے ہی واقعات منتخب کیے جو ایک نظر میں سما سکتے ہوں اور پورے کے پورے ایک ہی نشست میں سنے جا سکتے ہوں۔

شاعر اہل بیت تجم آفندی:

جو اہلِ دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقامِ انیسؔ
ہے فنِ مرثیہ گوئی میں اہتمامِ انیسؔ
حسینیتؑ کی جو خدمت انیسؔ نے کی ہے
رہے گا تا بہ قیامت بلند نامِ انیسؔ

پروفیسر ایس جی عباس، کراچی

"Anis had the power of expressing one and the same thing in manifold ways. He was well. Versed in the art of expanding and compressing a passage, He had such a rich and inexhaustible stock of words which no other poet of Urdu, nor Probably any poet in any other language-except John Milton, appears to have possessed. He was an accomplished master of synonyms which found a prominent place in his poetry,

Similarly, he described an event either fully or partly and in a variety of ways but his descripition was highly natural and life-like. At the same time it never tended to be heavy, monotonous and uninteresting. Similarly, the effect of his poetry was never lost even for a moment" (The Immortal Poetry and Mir Anis p164 by Prof. S.G.Abbas-Karachi, 1983)

صالحہ عابد حسین: میر انیسؔ نے صرف مرثیہ ہی کو معراج کمال پر نہیں پہنچایا بلکہ اردو کے خزانے کو بھی مالا مال کیا ہے۔ ان کے ضخیم کلام میں ایسے ایسے کمالات زبان اور بیان کے ایسے ایسے معجزے ملتے ہیں جن کو سمجھنے اور پوری قدر کرنے کے لیے ابھی اور بہت وقت درکار ہوگا۔ اُن کے کلام کو جتنا پڑھتے جایئے اس پر جتنا غور و خوض کرتے جایئے بس ذہن خود اُن ہی کا یہ شعر دہراتا رہتا ہے۔

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

پروفیسر گوپی چند نارنگ: انیسؔ نے دراصل وہ کیا جو کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک یا کسی بھی عہد میں کوئی بڑا شاعر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عقیدے

کی اصلیت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے سماج کی سچائی کی نبض بھی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ قاری اور تخلیق کی اس موافقیت سے انیسؔ کے کلام میں وہ شدّتِ تاثیر پیدا ہوئی ہے جس پر اردو ناز کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانیت انیسؔ کے پورے کلام میں چاندنی کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور اس کی بدولت بھی وہ ہمارے دلوں سے اس قدر قریب ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن: میر انیسؔ کی فنی کرشمہ سازی کا ایک حیرت آفرین کمال یہ ہے کہ وہ اپنے مرثیوں کی بیت میں بڑی مہارت کے ساتھ رباعی کے چوتھے مصرعے کا سارا زور حسن پیدا کردیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ نازک ہنر ان کی فن کاری کی عظمت کا واضح ثبوت ہے۔

رام بابو سکسینہ: بہ حیثیت شاعر کے انیسؔ کی جگہ صفِ اوّلین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو اردو کے تمام شعرا سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شیکسپیئر اور خدائے سخن اور نظم اردو کا ہومرؔ، اور ورجلؔ اور بالمیکؔ خیال کرتے ہیں۔ ... انیسؔ صحتِ محاورہ کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اردو میں سیکڑوں نئے محاورے ان کے دم سے آئے اور سیکڑوں پرانے محاوروں کا بھی استعمال انھوں نے سکھایا۔

سفارش حسین رضوی: انیسؔ کا کلام زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ میر انیسؔ یعنی میر حسنؔ کے فن اور میر خلیقؔ کی زبان کے امتزاج سے تیار کیا ہوا مرکب جس میں شاعر کے ذہن کی آب اور طبیعت کی تاب ہے۔"

نسیمؔ امروہوی:

انیسؔ چہرہ نویسِ نگاہ شعر و سخن کمالِ فکر کا اک معجزہ انیسؔ کا فن

دماغِ شعر ہے طبع انیسؔ سے روشن کہ صدق و حق ہے تخیل میں اس کے جلوہ فگن

سخن میں جذبہ واحساس کو رواج دیا

ہر ایک نفس کو بالکل نیا مزاج دیا

سردارؔ جعفری: میں انیسؔ کا شمار اردو کے چار عظیم شعرا میں کرتا ہوں۔ باقی تین میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ ہیں۔ مرثیے سے نظم نگاری تک ہر سفر میں انیسؔ کی شاعری نے میری بہت رہنمائی کی ہے۔ انیسؔ کے اثرات جوشؔ کے یہاں بہت واضح ہیں اور اقبالؔ کے یہاں بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی نظم کی زبان کو انیسؔ انیسویں صدی میں مستند بنا چکے تھے۔ (مضمون انیسؔ کی معجز بیانی)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری: یوں تو انیسؔ کا شمار اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں ہوتا ہے لیکن کسی قدر تعجب کی بات ہے کہ ان کی زندگی اور فن پر کوئی جامع کتاب مرتب نہ ہوسکی۔ یہ انیسؔ جیسے صاحب کمال شاعر پر بہت بڑا ظلم ہے۔ میر انیسؔ سے ہماری بے اعتنائی کا یہ اثر ہوا ہے کہ وہ مجالس عزا اور عشرۂ محرم کے شاعر بن کر رہ گئے۔ ان کی وہ شاعرانہ بڑائی جس کے سبب ان کا نام دنیا کے بلند پایہ رزم نگاروں اور اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ کیا جاتا ہے نظروں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے۔

مولانا کوثر نیازی: انیسؔ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کے زوال آشنا اسلامی معاشرے میں ان قدروں کو مرثیہ کی شکل میں محفوظ کردیا ہے جو مذہب اسلام کی تہذیب و ثقافت کا اصل مظہر ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا ادبی اور ثقافتی کارنامہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل اگر ان اخلاقی قدروں کو پورے شعور اور اعتماد کے ساتھ اپنا لے تو ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انیسؔ کی تراوشِ فکر نے جو مضامین نو کے انبار لگائے ہیں ان سے خوشہ چینی کے بغیر نہ اردو زبان آسکتی ہے اور نہ اردو ادب کا مطالعہ مکمل ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی: اب تک انیسؔ کو محض مذہبی شاعر سمجھا گیا ہے اور اس

کے کلام پر صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری تسلیم کی گئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے مذہبی شاعر سمجھنے کے بجائے آفاقی شاعر کی حیثیت سے دیکھا جائے اور شاعری کے مسلمہ عالم گیر معیاروں پر اس کا کلام جانچ کر اہل زمانہ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ادب کے مبصر اس کا صحیح درجہ پہچان لیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد: اگر انیسؔ نہ ہوتے تو نئی شاعری کے لیے آزادؔ، حالیؔ، چکبستؔ اور ریفیؔ کو بڑے ہمت شکن تجربے کرنے پڑتے اور شاید کامیابی نہ ہوتی۔

لالہ سری رام: میر انیسؔ مرحوم صرف مرثیہ گویوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست، فن سخن کے مسلم الثبوت اور قادرالکلام استاد تھے۔

پروفیسر محی الدین قادری زورؔ: دنیا کی عظیم الشان نظمیں جن کی زبان اور خیالات نے اپنے اپنے ملک وقوم کی ذہنیت اور اخلاق و عادات کی اصلاح کی حسب ذیل ہیں۔ ایلڈ، مہابھارت، رامائن، پراڈائزلاسٹ، شیکسپیئر کے ڈرامے اور شاہنامہ۔ گوان تمام کے مصنفین زندۂ جاوید فلسفی ممتاز شاعر اور بلند خیال معلم اخلاق ہیں۔

ان کے دماغوں کی ساخت میں یکسانیت نمایاں ہے اور ان کے خیالات میں اس درجہ وسعت نظر آتی ہے کہ ان کا کلام انسانی طاقت سے باہر نظر آتا ہے لیکن ان سب شہکاروں پر ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے مراثی انیسؔ کو فوقیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر مسیح الزماں: انیسؔ کا شمار اردو کے اُن عظیم شعرا میں ہے جن کے احسان سے اردو شاعری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

شارؔب ردولوی: یہ میر انیسؔ کی کردار نگاری کا عظیم کارنامہ ہے کہ وہ بنے بنائے اور تاریخی کرداروں کو زندہ اور متحرک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ میر انیسؔ کردار کو زندگی کے تقاضوں سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کی مثالی یا تاریخی ہونے کا شبہ تک نہیں ہوتا اور سامع اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اس کے قریب کا کوئی آدمی ہے یہ اُن کے فن کا معجزہ ہے۔

امیر امام حُر: انیسؔ کو اپنی ثقافتی تاریخ میں جو واقعہ غیرت دلانے اور ہمت بڑھانے کے لئے نظر آیا تو وہ کربلا کا عظیم الشان اور جلیل القدر معرکہ تھا۔ اس میں انیسؔ کو اخلاقیات، نفسیات، خود داری، شجاعت اور صبر و حریت کے جوہر نظر آئے جنھیں اس باکمال شاعر نے سلکِ نظم میں پرو کر اردو ادب میں ایک غیر فانی اور گراں مایہ اضافہ کر دیا۔

شہید صفی پوری: اصول تنقید میں یہ امر مسلمہ حیثیت رکھتا ہے کہ کسی شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے نقاد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ زندگی کو اپنے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ شاعری کے زاویۂ نگاہ سے دیکھے۔ مذہب اور شاعری کا ایک ایسا امتزاج جب مذہب، مذہب نہ رہے شاعری بن جائے اور شاعری شاعری نہ رہے مذہب بن جائے ایک معجزہ ہے اور ایسے معجزے روزانہ ظہور میں نہیں آیا کرتے۔ قدما کا ایسا سب سے پہلا شاعر ہومرؔ تھا اور متاخرین کا سب سے آخری شاعر انیسؔ تھا۔ مذہبی شاعری ہومرؔ سے شروع ہوکر انیسؔ پر ختم ہوگئی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں: میر انیسؔ زبان کے بادشاہ تھے۔ ایک ایسے جوہری تھے جو الفاظ کو تراش کر استعمال کرتے تھے اور جس کی آب وتاب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ میر انیسؔ نے فن مرثیہ گوئی کو حدِ کمال کو پہنچا دیا۔

انور سدید: اس سے بڑھ کر انیسؔ کے کلام کی قدر کی ناشناسی کی دلیل کیا ہوگی کہ ان کے فن کی تحسین موازنہ انیسؔ اور دبیرؔ سے آگے بڑھ نہ سکی۔ میر انیسؔ کے اشعار میں بے پناہ روانی اور تحرک ہے لفظوں قافیوں اور ردیفوں کا ایک سیلِ بے پناہ ہے کہ لحہ بہ لحہ واقعات کے موتی اُگلتا

ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری ہے کہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے اور معنی و مفہوم کے عمیق باطن میں غوطہ لگانے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ حرکت اور روانی میر انیسؔ کے فن کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ان کے مزاج کا ایک اہم زاویہ بھی ہے۔

ڈاکٹر نیّر مسعود: بڑے اور حقیقی شاعر کی پہچان یہ ہے کہ اس کی اہمیت اس کے عہد سے لے کر بعد کے آنے والے ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔ اردو میں اس معیار پر پورے اترنے والے شاعر میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے عہد سے لے کر آج تک اپنی اہمیت برقرار رکھی ہے۔ اصلی شاعری میں معنی اور آہنگ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شعر کی آدھی معنویت اس کے آہنگ میں آدھا آہنگ اس کی معنویت میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اردو میں غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ کے یہاں معنی اور آہنگ کا ادغام کامل ہے اور انیسؔ کے یہاں اس ادغام کی جتنی مختلف النوع صورتیں نظر آتی ہیں اتنی تو غالبؔ اور اقبالؔ کے یہاں بھی نظر نہیں آتیں۔

ڈاکٹر فضل امام: انیسؔ نے اپنے فکر و فن کی وسعتوں سے صرف اردو مرثیہ نگاری کو ہی توانا اور موثر نہیں بنایا ہے بلکہ اردو شاعری کو باآبرو بنادیا۔ اگر

مراثی انیسؔ نہ ہوتے تو جدید نظم نگاری کی بنیاد اور ابتدا کا تصور ہی ایک امرِ محال تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ: انیسؔ کے کلام میں زخموں کے گلستان کھلے ہیں۔ وہ زخم اہل بیتؑ کے بھی ہیں اور ان کے اپنے دل کے زخم بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میر تقی میرؔ رو کر اوروں کو صرف رلانا ہی جانتے ہیں۔ انیسؔ روتے اور رلاتے بھی ہیں مگر اس طرح کہ رونے والا محظوظ بھی ہو سکتا ہے اور یہ حظ اس تہذیب غم سے پیدا ہوتا ہے جس نے انیسؔ کے مرثیوں کو دنیا کی شاعری میں ایک منفرد اور برتر مقام عطا کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر شان الحق حقی: انیسؔ کے مراثی میں ڈرامائی انداز اور ڈرامائی فضا اتنی عام ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انیسؔ کے ہاں ڈراما بیانیہ شاعری کے ساتھ ہی ساتھ موجود ہے اور بعض مرثیوں میں بیان پر حاوی نظر آتا ہے۔ یوں تو انیسؔ کا کوئی بھی مرثیہ مکالمے اور ڈرامائی مناظر سے خالی نہیں لیکن ایسے بھی مرثیے ہیں جو بیشتر تقریر و مکالمے پر مشتمل ہیں۔ انیسؔ اپنی طرف سے اتنا نہیں بولتے جتنا کہ ان کے کردار بولتے نظر آتے ہیں۔ انیسؔ کے مرثیوں میں مناظر کو اسٹیج پر برپا کرنے کی ضرورت یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر وقار عظیم: انیسؔ کے فن کارانہ تصرف کے بعد قومی شاعری ایک مستقل سانچا بن گئی۔ حالیؔ کے مُسدّس اور اقبالؔ کے شکوہ اور جوابِ شکوہ میں اسی کا عکس ہے۔

فضل قدیر: میر انیسؔ ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ انھوں نے مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے لیکن باوضو اور پُر تقدیس انداز میں۔ ان کے کلام میں ایک بھی شعر ایسا نہیں جس میں مذہبی معتقدات پر اشارتاً بھی کوئی چوٹ کی گئی ہو۔ انیسؔ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کے سخت مخالف تھے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کو متحد اور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر فدا حسین: واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تب اس کو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورے میں سین کھنچا کہتے ہیں اور یہ کمال فردوسیؔ اور انیسؔ ان دونوں ہستیوں پر ختم ہوگیا۔ جہاں بھی جو واقعہ بیان کیا گویا اس کی ایک زندہ تصویر پیش کردی۔

سید ہاشم رضا:

جہاں میں سطوتِ شاہی کو مختصر دیکھا — سخن میں تیری خدائی کو معتبر دیکھا
سند ہیں شعر ترے مستند زبان تیری — ترے ہنر کا ہے پرتو جدھر جدھر دیکھا

ہر ایک بحر میں تو نے گہر فشانی کی ہر ایک بیت میں ہیروں کو منتشر دیکھا
خزانہ تو نے لٹایا ہے شعر و معنی کا جسے بھی فکر ہوئی اس نے تیرا در دیکھا

حامد حسن قادری: "میر انیسؔ نے مرثیہ کو معراج کمال پر پہنچادیا۔ مرثیے کے تمام اجزا بہترین اسلوب کے ساتھ لکھے۔ مرثیہ کی جملہ خوبیاں زبان و ادب کے لحاظ سے ایسی پیدا کیں کہ ان سے بہتر تصور میں نہیں آسکتیں۔ خصوصاً مناظر و جذبات کی محاکات (تصویر کشی) میں تمام متقدمین و معاصرین سے ممتاز ہیں۔ بین اور الم کے مضامین بھی سب سے زیادہ دل گداز تھے۔"

(تاریخ وتنقید، صفحہ ۱۱۱ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء آگرہ)

احسنؔ فاروقی: انیسؔ شاعروں کا شاعر ہے اور جسے شاعری سیکھنی ہے اسے انیسؔ کے در کی جبہ سائی کرنی پڑے گی۔

سید عابد علی عابدؔ: انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف کے رمز سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنادیا جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، ڈرامہ، داستان سب ہی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود اس صنف سخن کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔

آل احمد سرورؔ: اردو شاعری میں میر انیسؔ کا درجہ بڑے شاعروں میں بھی بہت بڑا ہے۔ پڑھنے والا انیسؔ کی خطابت ان کی جادو بیانی اور ان کی عقیدت کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وحید اخترؔ: انیسؔ کا اثر بعد کی نسلوں پر گہرا ہے کہ اسے سمجھے بغیر اردو نظم کے لب ولہجہ کو سمجھنا ممکن نہیں۔ چکبستؔ کے مسدس تو صاف انیسؔ کا چربہ نظر آتے ہیں۔ اقبالؔ کے مسدسوں ہی میں انیسؔ کا پرتو نہیں بلکہ دوسری نظموں میں بھی انیسؔ کے اسلوب کا عکس جھلکتا ہے۔ جوشؔ جن کے لیے کہا جاتا ہے کہ اردو میں الفاظ کا اتنا بڑا جادوگر دوسرا نہیں ہوا انیسؔ ہی سے کسبِ فیض کرتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر: میر انیسؔ مرثیہ نگاری کو ایک ایسا ہمہ گیر اور بامقصد آرٹ سمجھتے تھے جو افادیت و مقصدیت اور سادگی و پُرکاری اور بے خودی و ہوشیاری کا بہترین امتزاج ہو۔ اس لئے انیسؔ کے ساتھ ''توصیف'' اور ''رقت'' کے ساتھ تعریف کے التزام کو ضروری تصور کرتے تھے۔

احمد ندیمؔ قاسمی:

جہانِ شعر کا اک ایک نامور دیکھا انیسؔ تجھ سا نہ کوئی بھی باہنر دیکھا
ہیں متفق سبھی اہلِ ہنر کہ تیرا مثیل نہ تیرے بعد ہی دیکھا نہ پیشتر دیکھا

سید فیضی:

پروردگارِ شعر خدائے سخن انیسؔ نورِ تخیلات کا ہے بانکپن انیسؔ
مجلس انیسؔ بزم انیسؔ انجمن انیسؔ منبر کی جان طرزِ خطابت کا فن انیسؔ

حکمت کی روشنی ہے وضاحت کا ذوق ہے
جادو بیاں انیسؔ دبستانِ شوق ہے

سید عاشور کاظمی: میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی میں جو راہیں تراشی ہیں ان کے بعد آنے والے کم و بیش انھیں راہوں پر چل رہے ہیں، مگر اس حقیت سے انکار ممکن نہیں کہ مرثیے کا قافلہ جہاں پہنچا ہے وہ میر انیسؔ کے صدقے میں پہنچا ہے۔ جدید مرثیے کے ساتھ چلنے والوں نے بھی میر انیسؔ کی احسان فراموشی کبھی نہیں کی۔ میر انیسؔ کی عظمت نہ کبھی متنازعہ تھی نہ ہوگی۔

ڈاکٹر ہلال نقوی: انیسؔ اس لئے بھی اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کہلائے کہ ان کے مرثیوں میں ادبیت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ موجود ہے جس نے انسانی جذبات کو روشنی کی زبان دی۔ ان کی شاعرانہ عظمتوں کی وہ صفات جو انھیں تمام مرثیہ گو شعرا سے الگ کردیتی ہے ان کے متعدد زاویے ہیں لیکن دو زاویے اس ذیل میں بہت اہم ہیں ایک تو کردار و واقعات کے ذیل میں ان کی نفسیاتی پہنچ اور دوسرے ان کی زبان۔

فیض احمد فیضؔ: قدیم شعرا میں ہمارا پسندیدہ شاعر کون ہے۔ ویسے اردو شاعری میں تو پہلا نام میرؔ ہی کا آتا ہے۔ میرے خیال میں غالبؔ سے ذہنی لگاؤ کی بنا پر اس کا نام میرؔ سے پہلے آتا ہے۔ جہاں تک زبان واسلوب کا تعلق ہے اس میں میرؔ کا جو طرز بیان ہے اس سے استفادہ نہ کرنا اپنے آپ کو محروم رکھنا ہے۔ جہاں تک الفاظ اور ترنم کا معاملہ ہے، ہم میر انیسؔ سے کسب فیض کرتے رہے اور جہاں تک آج کل کے ذہن وخیال کا تعلق ہے ہم بھی اقبالؔ سے متاثر ہیں۔
(فیضؔ، مطبوعہ انٹرویو)

ڈاکٹر صفدر حسین: انیسؔ اس خانوادے کے ایک فرد تھے جس کی کم از کم چار پشتیں تو ضرور ہی محافظت زبان میں گزری تھیں۔ انیسؔ اپنے عہد میں اس تحریک کے سب سے بڑے محافظ اور پاسبان تھے جس کی خصوصیات صحت، صفائی، پاکیزگی، شگفتگی اور شیرینی تھیں۔ انیسؔ کے کلام میں سلاست، شیرینی اور شکوہ کے امتزاج سے رفعت بیان پیدا کی گئی ہے۔ یہاں ندرت تشبیہ و استعارات کا عمل بھی نمایاں ہے لیکن صنعتوں کا استعمال بھی بڑے حسین انداز سے ہوا ہے۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کی کوئی کمی نہیں جن میں حسن رعایت اپنے عروج پر ہے۔

اللہ ری خوشبو تنِ محبوب خدا کی
پھولوں کی مہک آگئی کلیوں سے قبا کی

(شاہکار انیسؔ، ڈاکٹر صفدر حسین)

مولوی عبدالحق: انیسؔ کی زبان سنگم ہے۔ چند زبانوں اور مختلف قسم کے الفاظ کا جو ہمارے شعرا کے یہاں کمیاب ہے۔ ہمارا ہر شاعر صرف ایک صنف پر عبور رکھتا ہے اور اسی کا وہ استاد یا شاعر کہلاتا ہے۔ اس کو مخصوص کسی ایک صنف سے متصف کیا جاتا ہے لیکن انیسؔ کا کلام مجموعہ ہے زندگی اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کا۔

(فرہنگ انیس۔ نائب حسین نقوی)

مولوی سید احمد صاحب فرہنگِ آصفیہ: انیسؔ محاورات کا بادشاہ تھا۔

(فرہنگ آصفیہ۔ نائب حسین نقوی)

نائب حسین نقوی: میر انیسؔ کا مطالعہ عوام اور خواص نے حتیٰ کہ مرثیے کے شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ ایک طبقہ نے تو محض رونے رلانے کے پیش نظر پڑھا اور اس کے آگے کچھ سوچنے کی زحمت نہ کی لیکن میں عرض کروں کہ انیسؔ کے یہاں رثائیت کا عنصر تقریباً آٹھواں حصہ رہ جاتا ہے۔ باقی تمام کلام

دوسرے اصناف و اقسام یا موضوعات و عنوانات سے مملو ہے۔ حمد، نعت، منقبت، مدح، قصیدہ، مثنوی، غزل اور اس کے ماورا عمرانیات جمالیات، سیاسیات: جنگ اور ان تمام موضوعات کے مختلف گوشے بھی ان کے پیشِ نظر رہے۔

افتخار عارف: حیرت ہوتی ہے کہ فی زمانہ انیسؔ کو ویسا مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور ایک زمانے تک وہ جس کے حقدار سمجھے جاتے رہے۔ ہمارے بچپن میں میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ عظیم شعرا کی ذیل میں زیرِ بحث رہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز و عروج میں نظیرؔ اکبرآبادی بھی اس فہرست میں شامل ہو گئے کہ ان کی جڑیں اپنی دھرتی اور اپنی عوام سے پیوست تھیں۔ پچھلے چند برسوں میں انیسیات میں کوئی بہت قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ برادرِ گرامی قدر نیّر مسعود نے اپنے والد بزرگ استاد الاساتذہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی روایت میں بلاشبہ جوگراں اضافے کیے اور مرحوم و مغفور سید جوادؔ علی زیدی، شاربؔ ردولوی، پروفیسر گوپی چند نارنگ کے کچھ مضامین استثنا قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اب تو رثائی ادب کی تحریریں عزاخانوں کے مذہبی کتاب گھروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اور بڑے شہروں میں مراثی کے مجموعہ بہت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔

اودھ نریش شری رام چندر جی کو مرکز و محور مان کر تو سوامی تلسی

داس نے رام چرت مانس لکھی ۔ اودھی زبان میں اور اودھ کی دھرتی پر۔ سو راماین میں پوری ہندوی ستھیا سانس لیتی نظر آتی ہے۔ عظیم شاعر نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ انیسؔ نے اسی اودھ میں رہتے ہوئے اسلام کے ایک جلیل القدر گھرانے کے فرد نبیؐ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیؐ کے نواسے، علیؑ اور فاطمہؑ کے بیٹے حسینؑ اور باطل کے نمائندے یزید کے لشکر کے مقابل کربلا میں قیام کو موضوع شعر بنایا اور ایسی شاعری کی جس پر معجزے کا گمان ہوتا ہے۔ مرثیہ گو شعرا نے زبان کی تخلیقی ارتقا میں وہ کام کیے جو دوسرے شعرا انجام نہ دے سکے۔ انیسؔ جس کے سب سے اہم نمائندہ تھے۔ اس کا اعتراف واحترام واجب آتا ہے۔

(اقتباس از مکتوب افتخارؔ عارف بنام تقی عابدی)

حمدیہ رباعی (1) اللہ ہی عطا کرتا ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیرِ جستجو دیتا ہے
انسان کو رزق، گُل کو بُو، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے، جس کو، تُو دیتا ہے

حمدیہ رباعی (2) اللہ رزاق ہے

سب سے اوّل ہے سب سے سابق ہے وہی
حمد و صفت و ثنا کے لائق ہے وہی
درویش نہ محروم، نہ منعم بے فیض
پشّے کا بھی، عنقا کا بھی رازق ہے وہی

حمدیہ رباعی (3) اللہ مختار ہے

اپنوں کا گِلہ نہ غیر ذالک کا ہے
کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے
تعزیر دے یا عفو کر اے ربِّ کریم
مخلوق پہ اختیار مالک کا ہے

حمدیہ رباعی (4) معرفتِ الٰہی

حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں
دیکھو کہ ہے شان اس کی ہویدا سب میں
کیا قدرتِ معبود ہے اللہ اللہ
پنہاں سب میں ہے اور پیدا سب میں

حمدیہ رباعی (5) خدا کی قدرت

نہ لعل میں ہے نہ گہر و سنگ میں تو
پر صاف چمکتا ہے ہر اک رنگ میں تو
باہر عالَم سے ہے بزرگی تیری
کِس طرح سمایا ہے دلِ تنگ میں تو

حمدیہ رباعی (6) ذاتِ خداوندی ثنا و صفت سے بالا ہے

خلّاقِ جہاں ہے ربِ اکبر تو ہے
ستّار ہے، رزّاق ہے، داور تو ہے
حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری
جو حمد و ثنا ہے اُس سے برتر تو ہے

حمدیہ رباعی (7) معرفتِ خدا

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

حمدیہ رباعی (8) معرفتِ خدا

گُلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بُلبُل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

حمدیہ رباعی (9) اللہ مختار ہے

صالح بھی ترا ہے زِشت بھی تیرا ہے
کعبہ بھی ترا کِنشت بھی تیرا ہے
حاضر ہے گنہگار جدھر بھیج دے تو
دوزخ بھی ترا، بہشت بھی تیرا ہے

حمدیہ رباعی (10) مخلوق عبادت گزار خدا ہے

بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے
شاخِ گلِ تر زمیں پہ سر دھرتی ہے
استادہ نہیں قیام میں سرو فقط
قمری بھی ترے عشق کا دم بھرتی ہے

حمدیہ رباعی (11) اللہ رگِ جان سے قریب ہے

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگِ جاں سے اور پھر اُس پہ یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حمدیہ رباعی (12) معرفتِ الٰہی

سرگرم رہے نہ، سرد آہیں ہیں یہی
سویا کیے، حسرت کی نگاہیں ہیں یہی
ہر جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ رگیں
گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

حمدیہ رباعی (13) معرفتِ الٰہی

مڑ کر کب تک اِدھر اُدھر دیکھوں میں
حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، فلک ہو کہ زمیں
تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

حمدیہ رباعی (14) صناعیٔ خدا

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

حمدیہ رباعی (15) معرفتِ الٰہی

سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو، اس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع، وہ پروانہ ہوں

حمدیہ رباعی (16) رحمتِ الٰہی

کونین کی دولت ہے عنایت تیری
ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
مستوجبِ دوزخ ہوں، اگر عدل کرے
یا رب! گر بخش دے تو رحمت تیری

حمدیہ رباعی (17) رحمتِ الٰہی

فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے
مومن پہ مگر رحمتِ رب ہوتی ہے
آگاہ گناہوں سے نہ ہو ایک کے، ایک
فرداً فرداً جبھی طلب ہوتی ہے

حمدیہ رباعی (18) رحمتِ الٰہی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم ترا ہے، یہ عدالت تیری

حمدیہ رباعی (19) رحمتِ الٰہی

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے
جنت کبھی مجھ کو، کبھی کوثر کھینچے
دھو ڈالیں لکھے کو کاتبانِ اعمال
گر تو قلمِ عفو خطا پر کھینچے

حمدیہ رباعی (20) معرفتِ خدا

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
یہ عجز، یہ انکسار بھایا ہے تجھے
جب تک 'میں' تھا تو بُعد تھا برسوں کا
جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

حمدیہ رباعی (21) ثنا ممکن نہیں

ہیں معترفِ عجز ثنا خواں تیرے
افزوں ہیں مرے شکر سے احساں تیرے
میں کرتا ہوں جرم، عفو کرتا ہے تو
لائق مرے وہ ہے، یہ ہے شایاں تیرے

حمدیہ رباعی (22) دولتِ حقیقی

دولت کی ہوس ہے نہ طمع مال کی ہے
خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذات تری جواد و غفار و غنی
اُمید تجھی سے ترے افضال کی ہے

حمدیہ رباعی (23) دولتِ حقیقی

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبروے دین و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی!

حمدیہ رباعی (24) کرمِ الٰہی

بندے کو خیال دم بدم تیرا ہے
یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے
کرتا ہے جو مجھ سے زرد رُو کو سرسبز
اے ابرِ کرم یہ سب کرم تیرا ہے

حمدیہ رباعی (25) شکرِ الٰہی

قانع ہو جو کچھ ہمتِ مردانہ ہے
کیوں صحبتِ اہلِ زر کا پروانہ ہے
حقا کہ شمارِ نعمتِ حق کے لیے
جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

حمدیہ رباعی (26) عبادت

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری
مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری
دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی
عصیاں مرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

(27)

حمدیہ رباعی　　　　عبادت

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
بذل کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

(28)

حمدیہ رباعی　　　　رحمتِ الٰہی

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

29

حمدیہ رباعی — رحمتِ الٰہی

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں
تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں میں
بخشے مرے جرم تو نے لاکھوں یا رب!
رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

30

حمدیہ رباعی — رحمتِ الٰہی

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں
نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرع آخرت ہے وہ خشک نہ ہو
ہاں اِک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

حمدیہ رباعی (31) رحمتِ الٰہی

اے خالق ذوالفضل و کرم رحمت کر
اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم! رحمت کر

حمدیہ رباعی (32) رتبۂ آدم

آدم کو عجب خدا نے رُتبہ بخشا
ادنیٰ کے لیے مقامِ اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں
اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

حمدیہ رباعی (33) گل و بلبل

لالے سے عیاں بہارِ سرجوشی ہے
نرگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گومگو ہے اے ربِ کلیم
بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

نعتیہ رباعی (34) محمدؐ بے مثال ہیں

ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں
ہاں دردِ محبت ہی مگر ہم میں نہیں
مجھ سے تیرے لیے ہزاروں بندے
تجھ سا میرے لیے دو عالم میں نہیں

نعتیہ رباعی (35) سفینۂ محمدؐ

ساحل پہ ابھی تھا کہ اُدھر جا اُترا
نہ شرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

نعتیہ رباعی (36) معراجِ نبیؐ

دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قربِ معراجِ رسولؐ
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

نعتیہ رباعی (37) رسولؐ کا سایہ نہ تھا

آدم کو یہ تحفہ، یہ ہدیہ نہ ملا
ایسا تو کسی بشر کو پایہ نہ ملا
اللہ ری لطافتِ تنِ پاکِ رسولؐ
ڈھونڈا کیا آفتاب، سایہ نہ ملا

نعتیہ رباعی (38) دیدارِ رسولؐ اللہ کا دیدار ہے

یا ختمِ رُسلؐ! مست مئے اُلفت ہیں
قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضور کو، خدا کو دیکھا
اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

نعتیہ رباعی (39) دیدارِ رسولؐ اللہ کا دیدار ہے

کھو دل کے مرض کو اے طبیبِ اُمت
سکھلا آداب اے ادیبِ اُمت
اللہ کے نور کو بعینہٖ دیکھیں
گر ہو ترا دیدار نصیبِ اُمت

نعتیہ رباعی (40) نبیؐ اور علیؑ سے خدا ملتا ہے

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابنِ ابی طالبؑ سے
جب شاہِ عربؐ ملے تو رب کو پایا

نعتیہ رباعی (41) میں شہرِ علم ہوں علی اُس کا دروازہ ہیں

کیا بھائیوں کے انس کا اندازہ ہے
ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے
یہ باب میں حیدرؑ کے نبیؐ کہتے ہیں
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

نعتیہ رباعی (42) محمدؐ وعلیؑ کے ساتھ ہوں تو فتح یاب ہیں

احمدؐ کا برادرِ گرامی تو ہے
یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے
اے قائدِ خیر و پیشوائے اُمت
کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے

نعتیہ رباعی (43) معراجِ نبیؐ وملاقاتِ علیؑ

اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا
معراج میں حضرتؐ نے کسی کو دیکھا
کہنے لگے مسکرا کے، محبوبِ خداؐ
واللہ جہاں دیکھا، علیؑ کو دیکھا

نعتیہ رباعی (44) شریکِ معراج

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں، میں تن ہوں علیؑ سر ہے مرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

نعتیہ رباعی (45) ملاقات معراج میں

جو مرتبہ احمدؐ کے وصی کا دیکھا
ہم نے نہیں رُتبہ یہ کسی کا دیکھا
کہتے ہیں نبیؐ جب ہوئی معراج مجھے
پہنچا جو وہاں، ہاتھ علیؑ کا دیکھا

نعتیہ رباعی (46) علیؑ مہر نبوت کا نگینہ ہے

محبوبِ خدا کا جانشیں حیدرؑ ہے
قندیل سرِ عرش بریں حیدرؑ ہے
رکھے کعبہ میں پا سر دوشِ نبیؐ
لو! مہرِ نبوت کا نگیں حیدرؑ ہے

نعتیہ رباعی (47) نبیؐ اور علیؑ ولی ہیں

ہے شانِ علیؑ سے حق کی شوکت پیدا
ہے اُن سے ہر اک نبی کی خصلت پیدا
آئینے میں جیسے مہر دکھلائی دے
چہرے سے ہے یوں نورِ ولایت پیدا

نعتیہ رباعی (48) فضیلت محمدؐ و علیؑ

ہے چادرِ نورِ حق ردائے حیدرؑ
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدرؑ
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو مَلک
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدرؑ

نعتیہ رباعی (49) لسانِ اللہ اور محمدؐ علیؑ ہیں

مختارِ زمین و آسماں حیدرؑ ہے
گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے
جب نام لیا تقویتِ روح ہوئی
بے جاں ہے مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

نعتیہ رباعی (50) حدیث: انا و علی من نور واحد

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک
ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد
ہیں اسم تو دو مگر مسمّٰی ہے ایک

نعتیہ رباعی (51) عشق محمدؐ و علیؑ

ہے کون و مکاں میں اختیارِ حیدرؑ
گردوں ہے سُبک پیشِ وقارِ حیدرؑ
اِک جان ہے، اک دل ہے بضاعت اپنی
احمدؐ کے وہ قرباں، یہ نثارِ حیدرؑ

نعتیہ رباعی (52) معجزات شق القمر و رجعت خورشید

شایاں تھے انہیں کی شانِ برتر کے لیے
اعجاز یہ دو، دونوں برادر کے لیے
شق القمر و رجعتِ خورشید ببین
احمدؐ کے لیے وہ، اور یہ حیدرؑ کے لیے

منقبتی رباعی (53) ولادت علیؑ سے کعبہ مشرف ہوا

حیدرؑ سا امام، حق کی رحمت سے ملا
کیا کیا نہ شرف ان کی اطاعت سے ملا
عالم میں ہوا قبلۂ اوّل بھی وہی
کعبے کو شرف جس کی ولادت سے ملا

منقبتی رباعی (54) علیؑ کا مقام و مرتبہ

ہے روحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمتریں ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے
دن کو ذرّوں میں شب کو پروانوں میں

منقبتی رباعی (55) ساقی نامہ

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حبِّ ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیمانہ ہے

منقبتی رباعی (56) علیؑ مشکل کشا ہیں

احباب لحد تلک تو پہنچائیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل
تب عقدہ کشائی کو امامؑ آئیں گے

منقبتی رباعی (57) علیؑ مشکل کشا ہیں

میزانِ کرم میں جرم تُل جاتے ہیں
فردوس میں مثل بوئے گل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

منقبتی رباعی (58) مزارِ حیدرؑ

سرمہ ہے غبارِ رہگزارِ حیدرؑ
مردم نہ ہوں کس طرح نثارِ حیدرؑ
ہوجاتےہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
آئینۂ نور ہے مزارِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (59) علیؑ کا گھر

برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا
پر سب نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
سدرے سے پکارتے ہیں جبریلِ امیں
میں نے بھی جو پایا، اسی در سے پایا

منقبتی رباعی (60) مدح بارہ امامؑ

روشن شمعیں تجلّیِ طور کی ہیں
خال اُن کے رُخوں کے، پتلیاں حور کی ہیں
قربانِ دروازہ امامِؑ برحق
بارہ سطریں یہ سورۂ "نور" کی ہیں

منقبتی رباعی (61) علیؑ عقدہ کشا ہیں

اِک آن نہیں حق سے جدا حیدرؑ ہے
حق کا کرم و لطف و عطا حیدرؑ ہے
حور و غلماں ملائک و جنّ و بشر
سب جانتے ہیں عقدہ کشا حیدرؑ ہے

منقبتی رباعی (62) ذوالفقار

جو صف تہِ تیغِ شاہ آجاتی تھی
اُڑ جاتے تھے سر، شکست پا جاتی تھی
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ
وہ تیغ جو مورچے کو کھا جاتی تھی

منقبتی رباعی (63) غلامِ حیدرؑ

دنیا سے اُٹھا لے کے میں نامِ حیدرؑ
جنت کو چلا بہرِ سلامِ حیدرؑ
عصیاں ہوئے سدِ رہ تو رضواں نے کہا
آنے دو، اسے ہے یہ غلامِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (64) علیؑ کی بخشش

بے دینوں کو مرتضیٰؑ نے ایماں بخشا
دینداروں کو جنت کا گلستاں بخشا
بخشش کا ہے خاتمہ کہ خاتم دے کر
دَرویش کو رُتبۂ سلیماں بخشا

منقبتی رباعی (65) نبیؐ اور علیؑ کی مدح عبادتِ الٰہی ہے

سرگرم ہوں میں نبیؐ کی مدّاحی میں
کام آئے زباں وصی کی مدّاحی میں
یا رب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے، علیؑ کی مدّاحی میں

منقبتی رباعی (66) علیؑ کی معراج

افضل نہ کسی کو مرتضیٰؑ سے پایا
برتر دنیا کے انبیاؑ سے پایا
معراج میں مصطفےٰؐ کے ہمراہ رہے
یہ اَوج عنایتِ خدا سے پایا

منقبتی رباعی (67) زندگی علیؑ کی ضمانت ہے

گر شیرِ خدا زیست کا بانی ہو جائے
اعجاز مسیحا کا، کہانی ہو جائے
چاہیں جو علیؑ فنا سے تبدیلِ بقا
مرگِ مبرم بھی زندگانی ہو جائے

منقبتی رباعی (68) علیؑ پر خالق کو بھی فخر ہے

کیا اس کی صفت میں پھر کوئی بات کرے
خود جس کی ثنا رسولؐ دن رات کرے
پیدا کیا مرتضیٰ علیؑ سا بندہ
کیوں کر یدِ قدرت نہ مباہات کرے

منقبتی رباعی (69) علیؑ کامیابی کی ضمانت ہیں

ناکام بھی کامیاب ہوجاتا ہے
بے قدر، فلک جناب ہوجاتا ہے
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدرؑ
ذرّہ بھی آفتاب ہوجاتا ہے

منقبتی رباعی (70) علیؑ حاضر اور غائب ہیں

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علیؑ
حقّا کہ رسولؐ حق کا نائب ہے علیؑ
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علیؑ

منقبتی رباعی (71) علیؑ کی مدح ممکن نہیں

دَم اُلفتِ حیدرؑ کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو، وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہیں کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا
کیا آگے کہوں، خدا سے ڈرتا ہوں میں

منقبتی رباعی (72) عیدِ غدیر

اب وقت سُرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سے دورِ شاہی شاہِؑ نجف
یہ رنگِ بہار فتح و فیروزی ہے

منقبتی رباعی (73) عیدغدیر

ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذر بکف
ہے روزِ خلافت شہنشاہِ نجف
حیدرؑ ہوئے جانشینِ خاصِ نبویؐ
ہے آج طلوعِ نیّرِ برجِ شرف

منقبتی رباعی (74) علیؑ کی خوراک

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ
دنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ
خود قاسمِ روزیِ دوعالم تھے، مگر
تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ

منقبتی رباعی (75) آسمانی کتب مدح سرائے علیؑ ہیں

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدرؑ
حلاّلِ مہمّات ہے ذاتِ حیدرؑ
توریت، انجیل اور زبور و قرآن
ہیں ایک رباعیِ صفاتِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (76) علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

مولاؐ کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے
اللہ رے مراتبِ علیِؑ اعلیٰ
بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے

منقبتی رباعی (77) علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

یہ جود و سخا حاتمِ طائی میں نہیں
مثل ان کے کوئی عقدہ کشائی میں نہیں
معبود کے عبد ہیں، نصیری کے خدا
بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائی میں نہیں

منقبتی رباعی (78) علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

اعلیٰ رُتبے میں ہر بشر سے پایا
افضل انہیں خضرِ راہبر سے پایا
یہ در جو نہ ملتا، تو بھٹکتے پھرتے
جنت کا پتا علیؑ کے گھر سے پایا

منقبتی رباعی (79) علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

قطرے ہیں یہ سب جس کے، وہ دریا ہے علیؑ
پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ
ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار
اللہ اللہ ایسا بندا ہے علیؑ

منقبتی رباعی (80) علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

فیاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا
ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا
واں رہتا ہے بابِ خیر وا آٹھ پہر
حق سے مانگا، علیؑ کے گھر سے پایا

منقبتی رباعی (81) علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

کیا حُر نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
کیا مرتبہ شاہِؑ بحر و بر سے پایا
تھی آرزوے بہشت و آبِ کوثر
وہ باپ سے پایا، یہ پسر سے پایا

منقبتی رباعی (82) علیؑ عقدہ کشا ہیں

مطلب بھی علیؑ ہے، مدّعا بھی ہے علیؑ
ہادی بھی علیؑ ہے، رہنما بھی ہے علیؑ
شیعوں کو ہو کیا بادِ مخالف کا خطر
کشتی بھی علیؑ ہے، ناخدا بھی ہے علیؑ

منقبتی رباعی (83) علیؑ کے گھر کا فیض و کرم

ایماں پایا، علیؑ کے در سے پایا
رُتبہ پایا تو اِس بشر سے پایا
طوبیٰ، کوثر، بہشت، آرامِ لحد
جو کچھ پایا، علیؑ کے گھر سے پایا

منقبتی رباعی (84) علیؑ مشکل کشا ہیں

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
ہے ابرِ کرم، دستِ سخائے حیدرؑ
یعقوبؑ، و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

منقبتی رباعی (85) علیؑ مشکل کشا ہیں

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیٔ مرگ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

منقبتی رباعی (86) علیؑ مشکل کشا ہیں

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہنچے
کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہنچے
تربت جو ہوئی بند، کھلا خلد کا دَر
خنداں خنداں جوارِ جَد میں پہنچے

منقبتی رباعی (87) علی مشکل کشا ہیں

اگر دوستیٔ علیؑ میں مر جائیں گے
بگڑے ہوئے سب کام سنور جائیں گے
جس وقت کہیں گے منھ سے یا شیرِؑ خدا
جوں برق، صراط سے گزر جائیں گے

منقبتی رباعی (88) الفتِ حیدرؑ

افضل کوئی مرتضیٰؑ سے ہمت میں نہیں
اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
طوبیٰ، تسنیم و خلد و سیب و رمّان
وہ کیا ہے جو حیدرؑ کی ولایت میں نہیں

منقبتی رباعی (89) معرفتِ علیؑ معرفت خدا ہے

خلّاقِ انام کبریا کو جانا
عالم کا رسول مصطفیٰ کو جانا
ایماں کا ہمارے اس پہ ہے دار و مدار
جانا جو علیؑ کو، تو خدا کو جانا

منقبتی رباعی (90) علیؑ کا سراپا

آہوئے حرم ہے چشمِ مستِ حیدرؑ
کعبہ ہے دلِ خدا پرستِ حیدرؑ
سینہ تو ہے مخزنِ علومِ نبویؐ
ابرِ کرمِ خدا ہے دستِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (91) علیؑ کا سراپا

جامِ عرفاں ہے چشمِ مست حیدرؑ
حق بیں ہے نگاہِ حق پرستِ حیدرؑ
چہرہ ہے بہارِ بوستانِ فردوس
گلدستۂ باغِ دیں ہے دستِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (92) علیؑ کی عظمت وفضیلت

عالم یہ کتاب وعلم و حکمت کے ہیں
ہر فصل میں ذکر ان کی کرامت کے ہیں
کہتے ہیں دو عالم جسے اہلِ عالم
دو باب یہ حیدرؑ کی فضیلت کے ہیں

منقبتی رباعی (93) علیؑ کی عظمت وفضیلت

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں شام تک سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ، نبیؐ نے دُختر
رُتبہ یہ ادھر سے وہ اُدھر سے پایا

منقبتی رباعی (94) علیؑ صاحب اختیار ہیں

کجکول کو تاجِ خسروانی کر دیں
درویش کو اسکندرِ ثانی کر دیں
مختار ہیں سرد و گرم عالم کے علیؑ
چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کر دیں

منقبتی رباعی (95) علیؑ صاحب اختیار ہیں

چاہیں جو علیؑ قطرے کو دریا کر دیں
ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کر دیں
نسخہ کیسا، علاج کہتے ہیں کسے
بیمار کو چاہیں تو مسیحا کر دیں

منقبتی رباعی (96) علیؑ کی بلندی وعظمت

کعبے میں ہوا جو بندوبست حیدرؑ
شاداں تھے دلِ خدا پرست حیدرؑ
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم
عرشِ اعلیٰ تھا زیرِ دستِ حیدرؑ

منقبتی رباعی (97) علیؑ کی بلندی و عظمت

رُتبے میں علیؑ کے عرش بھی پست ملا
سب ان کو خدا کا گھر در و بست ملا
کعبے میں نبیؐ کے دوش، اور ان کے قدم
یہ اَوج کسی کو کب سرِ دست ملا

منقبتی رباعی (98) علیؑ مولودِ کعبہ ہیں

دینداروں نے اَمن، کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف، ایسے گُہر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو لے کے احمدؐ نے کہا
یہ دُرِ نجف خدا کے گھر سے پایا

منقبتی رباعی (99) علی بت شکن ہیں

کعبے کو یداللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفٰےؐ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلالِ اسمِ اعلائے علیؑ
اَصنام کو اِس نام نے برباد کیا

منقبتی رباعی (100) الفتِ حیدرؑ

قرآں میں ہے جا بجا ثنائے حیدرؑ
ہے وارِدِ ھَل اتٰی عطائے حیدرؑ
دو چیزیں ہیں عقبٰی کے لیے دنیا میں
اِک یادِ خدا ایک وِلائے حیدرؑ

منقبتی رباعی (101) الفتِ حیدرؑ

عرفاں تصدیقِ حجتِ حیدرؑ ہے
ایماں نورِ محبتِ حیدرؑ ہے
دوزخ ہے عداوتِ علیؑ کا بدلہ
فردوس بہائے اُلفتِ حیدرؑ ہے

منقبتی رباعی (102) علیؑ بانیِ صحت ہیں

گر نیّرِ دیں کی مہربانی ہو جاے
ذرّہ ابھی خورشید کا ثانی ہو جاے
لعلِ لبِ حیدرؑ سے جو ہو حکمِ شفا
پتھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جاے

اخلاقی رباعی (103) قبر

بستی کو اُجاڑ کر بسایا ہے اسے
گھر اپنا بگاڑ کر بنایا ہے اسے
سوئیں گے لحد میں پاؤں پھیلا کے انیسؔ
کھویا ہے جو نقد جاں تو پایا ہے اسے

اخلاقی رباعی (104) بردباری اور فروتنی

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

اخلاقی رباعی (105) خاکساری

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو
سختی بھی جو ہو تو بُردباری کر تو
پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو
بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

اخلاقی رباعی (106) بردباری معرفت کا راستہ ہے

ہو خاک دلا اُمید آزادی میں
حاصل ہو بلندی تجھے بربادی میں
آساں نہیں کچھ طریقِ عشقِ معبود
موسیٰؑ بھی تو ایمن تھے نہ اس وادی میں

اخلاقی رباعی (107) غصہ ناکامی کا راستہ ہے

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں تُند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

اخلاقی رباعی (108) گوشۂ عافیت

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا
برسوں نہ کبھی روزِ فراغت دیکھا
راحت کا مکاں، امن کا گھر، خانۂ عیش
دیکھا تو جہاں میں کُنجِ عُزلت دیکھا

اخلاقی رباعی (109) دنیا کی بدنظمی

شکلِ چمن صدق و صفا بگڑی ہے
ہے رنگ نیا بوے وفا بگڑی ہے
پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھٹکا
کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگڑی ہے

اخلاقی رباعی (110) طمع دولت

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ رے پیری میں ہوس دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

اخلاقی رباعی (111) نرمی اور انکساری بڑی قوت ہے

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اخلاقی رباعی (112) جاہل کبھی بدلتا نہیں

جو صاحبِ فہم ہے وہی انساں ہے
داناں کے لیے فروتنی شایاں ہے
جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا
ناداں کو اگر قلب کرو ناداں ہے

113

اخلاقی رباعی — کثرتِ گناہ

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے
غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے
یہ بے خبری، ہزار افسوس، انیس
بڑھتے ہیں گنہ، عمر گھٹی جاتی ہے

114

اخلاقی رباعی — غرورِ خاکساری

دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرّہ
ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

اخلاقی رباعی (115) نفس امّارہ بڑا شیطان ہے

برباد کیا ہے طبعِ آوارہ نے
تڑپا رکھا ہے قلبِ صد پارہ نے
شیطاں کی نہ کچھ خطا، نہ قسمت کا قصور
مارا مجھے آہ نفسِ امّارہ نے

اخلاقی رباعی (116) نااہلوں کے دل بند ہیں

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے
روشن ہوں نہ کیوں قلب سوا بینا کے
نااہل کے سامنے ہے یوں نیکی و پند
جس طرح چراغ آگے نابینا کے

اخلاقی رباعی (117) نقیری

وہ صبر مرا، وہ بردباری تیری
بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی نباہے اے فقر
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

اخلاقی رباعی (118) حرصِ رزق

ہر صبح یہ دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے
جب ضامنِ روزی ہے خداوند کریم
پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

اخلاقی رباعی (119) قلندری سکندری ہے

ہاں دولتِ فقر مصطفیٰؐ دیویں گے
توقیر و شرف شیرؑ خدا دیویں گے
ہوگا جو گوشہ گیر مثلِ ابرو
مردم آنکھوں میں تجھ کو جا دیویں گے

اخلاقی رباعی (120) کمر خمیدہ (صنعت حسن تعلیل)

خود ڈھونڈ کے پیشِ اہلِ دل جاتا ہوں
غنچے کی طرح ہوا سے کھل جاتا ہوں
پیری نے نہال بارور مجھ کو کیا
ہر اِک سے میں آپ جھک کے مل جاتا ہوں

121
اخلاقی رباعی
فقر کا نشہ

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

122
اخلاقی رباعی
خاموشی ہزار نعمت ہے

ہے تیزیِ عقل و ہوش بیہوشی میں
باتوں میں یہ لطف ہے، نہ سرگوشی میں
سمجھے جو زبانِ بے زبانی تو کہوں
جو مجھ کو مزا ملا ہے خاموشی میں

اخلاقی رباعی (123) دنیا میں اتحاد نہیں

ان آنکھوں سے خوف لطفِ عالم دیکھا
مردُم میں نہ اتّفاق باہم دیکھا
سمجھے کہ خلافِ رسمِ عالم ہے، انیسؔ
جس دم کسی بادام کو توَ اَم دیکھا

اخلاقی رباعی (124) دوست کی عظمت

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں، طبل، علم ملتا ہے
عنقا گوگرد، سرخ، پارس، اکسیر
یہ سب ملتے ہیں، دوست کم ملتا ہے

اخلاقی رباعی (125) دنیاوی مقام ومنزلت

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
مغرور نہ ہو جو اہلِ اِدراک ہے تو
بالفرض گر آسماں پہ ہے تیرا مقام
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

اخلاقی رباعی (126) پیری اور ریاکاری

ہر دَم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں
نافے کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے، سیاہی دل میں

اخلاقی رباعی (127) غلام صفت عقدہ کشا نہیں ہوتے

کب غنچے کی گلجھڑی صبا نے کھولی
مشکل جو پڑی عقدہ کشا نے کھولی
اُمیدِ کشودِ کار اسفل سے نہ رکھ
کس روز گرہ ناخنِ پا نے کھولی

اخلاقی رباعی (128) فخر و مباہات

نَخوت یہ عبث دولتِ ناپاک پہ ہے
ہے خاک تری اصل، قضا تاک پہ ہے
لے دیکھ حقیقت تری دکھلانے کو
تو تخت پہ ہے سایہ ترا خاک پہ ہے

اخلاقی رباعی (129) دربدری

تکیے پہ نہ سر ہے نہ بدن بستر پر
اس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر
ہر وقت ہے فکرِ نان و اندوہِ لباس
کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

اخلاقی رباعی (130) ہوس کو بقا نہیں

اے آہ! ترا اثر نہ دیکھا ہم نے
حسرت سے کدھر، کدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا نخلِ ہوس کی شاخیں نکلیں
لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

اخلاقی رباعی (131) عجز و عیب پوشی

خلق و تعظیم دولتِ دینی ہے
ہر عیب کا عیب، عیب خودبینی ہے
ہوتی ہے گنہ گار کی توبہ بھی قبول
خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

اخلاقی رباعی (132) اصل درد مخلوق کا درد ہے

روتے ہیں لہو ہر ایک ہمدم کے لیے
ہم خلق ہوئے ہیں غمِ عالم کے لیے
نازاں نہ ہو دل سوزیِ ظاہر پہ انیس
جلتی نہیں شمع اہلِ ماتم کے لیے

اخلاقی رباعی (133) نیک نفسی

عاجز نہ کسی بشر کو اصلا سمجھے
نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے
ہے اوجِ کمال و نیک نفسی کی دلیل
ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلا سمجھے

اخلاقی رباعی (134) حرصِ ثروت

اندیشے میں دن تمام ہوجاتا ہے
زنداں گھر، وقتِ شام ہوجاتا ہے
زرداروں سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہوجاتا ہے

اخلاقی رباعی (135) زادِ سفر ساتھ نہیں

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ ہائے، کچھ سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس، انیسؔ!
کس کام کو یاں آئے تھے، کیا کام کیا!

اخلاقی رباعی (136) سچ کا رواج نہیں

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

اخلاقی رباعی (137) دنیا غم اور مصیبت کی جگہ ہے

اندوہ و الم سے کب یہ جاں بچتی ہے
نہ قلب نہ روحِ ناتواں بچتی ہے
یوں سنگ دلوں میں رہ کے جان اپنی بچا
جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

اخلاقی رباعی (138) انکساری و عجز

ٹھوکر بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے
زردار کو بھی فروتنی بہتر ہے
ہے میوۂ نخلِ قد انساں تسلیم
جھکتی ہے وہی شاخ جو بارآور ہے

اخلاقی رباعی (139) قناعت

کس زیست پہ میل مال و اسباب کریں
کیوں زر کی ہوس میں دل کو بے تاب کریں
اک پارۂ ناں کے لیے لاحول وَلا
اس کو ہر آبرو کو بے آب کریں

اخلاقی رباعی (140) آدمی چکّی کے دو پاٹ کے درمیان ہے

دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
مابینِ زمین و آسماں یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا میں اِک دانہ ہے

اخلاقی رباعی (141) بخیل دنیا و آخرت میں بھی بد بخت ہے

دولت سے نہ کچھ لطف و مزہ پاتے ہیں
کھانے میں فقط چرخ کا غم کھاتے ہیں
دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیس
مہمانِ اجل آئے تو مر جاتے ہیں

اخلاقی رباعی (142) دولتِ سخن

انساں ذی عقل و ہوش ہوجاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہوجاتا ہے
گر جان نہیں سخن، تو بتلایئے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہوجاتا ہے

اخلاقی رباعی (143) دولتِ تصوف

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے
جو باعثِ آبرو ہے وہ گوہر دے
شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل
یا رب! مجھے نانِ خشک و چشمِ تر دے

اخلاقی رباعی (144) محنت سرخ روئی کا راز ہے

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے
دانائے جہاں وہ نکتہ بیں ہوتا ہے
ملتا نہیں نامِ نیک، بے کاہشِ جاں
کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

اخلاقی رباعی (145) مہمان کی خدمت خدا کی خدمت ہے

مہمان کی عزت میں بڑی عزت ہے
ہر اِک دانے میں خلد کی نعمت ہے
ہے پیشِ خدا جلیل وہ مثلِ خلیل
کیا عزت و توقیر ہے کیا عظمت ہے

اخلاقی رباعی (146) کم سخنی عیب پوشی کی ضامن ہے

کہہ دے کوئی عیب جو، سے سرگوشی میں
ڈھنپ جاتے ہیں سب عیب خطاپوشی میں
دامن ہے چراغِ فکر کو جنبشِ لب
یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

اخلاقی رباعی (147) دولتِ فقیر

گر ہاتھ میں زر نہیں، تو کچھ باک نہیں
موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں
کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا
یاں گردِ کدورت کے سوا خاک نہیں

اخلاقی رباعی (148) دل کی سیاہی تمام عمر رہی

تا چرخ فغان صبحِ گاہی نہ گئی
چہرے سے کبھی گردِ تباہی نہ گئی
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیسؔ
پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گئی

اخلاقی رباعی (149) خوش دلی دشمن کو دوست کر دیتی ہے

برعکس ہے گر خاک میں مل مل جائے
اس طرح ملے بشر کہ دل مل جائے
اُلفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے اثر
جنگل کا جو وحشی ہو، تو ہِل مل جائے

اخلاقی رباعی (150) سیاہ قلبی دل کی تباہی ہے

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

اخلاقی رباعی (151) خودستائی ترقی روکتی ہے

تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرّہ ہے
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرّہ ہے
کچھ پھل نہ ملے گا سینِ تحسیں سے انیس
یہ نخل ترقی کے لیے ارّہ ہے

اخلاقی رباعی (152) دولتِ فقر

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
یہ دلقِ مرقّع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

اخلاقی رباعی (153) انسان دانے دانے کی تلاش میں سرگرداں ہے

یہ حرص جو لے کے جابجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

اخلاقی رباعی (154) گناہوں سے توبہ

جب دیکھیں گی احوالِ قیامت آنکھیں
کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
کہتی ہے زبان دہن میں کچھ عذر تو کر
رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

اخلاقی رباعی (155) دولتِ فقر

حاصل ہو جو دولت تو توانگر ہو جائیں
گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں
نوّابی و شاہی نہیں درکار انیس
گر سدِّ رمق ملے سکندر ہو جائیں

اخلاقی رباعی (156) عدل وانصاف کا قحط

کچھ فرق کلامِ کہنہ و نَو میں نہیں
منصف ڈھونڈوں تو ایک بھی سو میں نہیں
تھا یوں نہ کبھی، گوہرِ مضموں بے قدر
انصاف، فلک! تیری قلم رَو میں نہیں

اخلاقی رباعی (157) دنیا شکارگاہ ہے

انساں ہی کچھ اس دَور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیاں و خوفِ صیّاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

اخلاقی رباعی (158) پاکیزگیِ قلب مشکل کام ہے

اُلفت ہے نہ پاس ربطِ دیرینہ ہے
منہ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے
گر کیجیے امتحاں تو قلعی کھل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

اخلاقی رباعی (159) اچھے لوگوں کی پہچان

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
حاسد جو بُرا کہے تو چپ رہتے ہیں
اچھے تو بُروں کو بھی کہتے ہیں نیک
جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

اخلاقی رباعی (160) خوش دلی خاکساری ہے

مٹّی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر
ہر بات پہ معترض نہ ہو، جنگ نہ کر
منظور اگر ہے جا دِلوں میں اے دوست!
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

اخلاقی رباعی (161) توبہ بخشش کی کلید ہے

عصیاں سے ہوں شرمسار، توبہ یارب!
کرتا ہوں میں باربار توبہ، یارب!
نہ جرم کا پایاں، نہ گناہوں کا شمار
اِک توبہ تو کیا، ہزار توبہ یارب!

اخلاقی رباعی (162) قبر میں صرف اعمال جاتے ہیں

احباب سے اُمید ہے بیجا مجھ کو
اُمیدِ عطائے حق ہے زیبا مجھ کو
کیا ان سے توقع کہ میانِ مرقد
چھوڑ آئیں گے اک روز یہ تنہا مجھ کو

اخلاقی رباعی (163) ایمان یقین کی منزل ہے

کس منھ سے کہوں میں کہ خوش انجام ہے تو
کامل ہیں کامیاب، ناکام ہے تو
پختہ دانہ زمیں سے اُگتا ہے انیسؔ
سرسبز ہو کیونکر کہ ابھی خام ہے تو

اخلاقی رباعی (164) آلودگیِ دنیا

افسوس یہاں سے نہ سبک بار چلے
ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے
دنیا میں تو بے گناہ آئے، واں سے
یہ کیا ہے کہ عقبیٰ میں گنہ گار چلے

اخلاقی رباعی (165) گوشہ نشینی

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح
ہر ایک سے جھک قوسِ خمیدہ کی طرح
منظورِ نظر ہے جو حفاظت اپنی
ہو گوشہ نشیں مردمِ دیدہ کی طرح

اخلاقی رباعی (166) قناعت

برباد گراں جنس کو بے تول نہ کر
تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک ناں ہے انیسؔ دست دو نانِ سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

اخلاقی رباعی (167) کدورتِ قلب

افسوس یہ عصیاں، یہ تباہی دل کی
کی خوب انیس خیر خواہی دل کی
نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

اخلاقی رباعی (168) بے ثباتیِ دنیا

دنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا
بچنے کا نہ غم سے کوئی چارا دیکھا
کچھ بخت ہمارے ہی نہیں سرگشتہ
گردش میں فلک کا بھی ستارا دیکھا

اخلاقی رباعی (169) بے ثباتیٔ دنیا

پُرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے
ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

اخلاقی رباعی (170) بے ثباتیٔ دنیا

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیسؔ
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

اخلاقی رباعی (171) بے ثباتیٔ دنیا

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے
آفت میں پھنسے، دامِ بلا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انیسؔ
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

اخلاقی رباعی (172) بے ثباتیٔ دنیا

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانندِ حباب ہستیِ انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

اخلاقی رباعی (173) بے ثباتیٔ دنیا

کر عجز اگر عاقل و فرزانہ ہے
دانائی پہ پھولا ہے تو دیوانہ ہے
تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں
گردش میں سدا رہتا ہے جو دانہ ہے

اخلاقی رباعی (174) بے ثباتیٔ دنیا

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے
پر اُس میں نصیب کس کو خوش حالی ہے
ہے چرخِ کہن شیشۂ ساعت گویا
ہے خاک اِدھر اور اُدھر خالی ہے

اخلاقی رباعی (175) بے ثباتیٔ دنیا

غفلت میں نہ کھو عمر کہ پچھتائے گا
رونا ہی غمِ شاہؑ میں کام آئے گا
اسبابِ تعلق سے نہ بھر دل اپنا
چلتے ہوئے سب کچھ یہیں رہ جائے گا

اخلاقی رباعی (176) بے ثباتیٔ دنیا

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی، اور کوئی فریادی ہے
اک عشرت و غم کا ہے مرقّع دنیا
ماتم ہے کسی جا، تو کہیں شادی ہے

اخلاقی رباعی (177) بے ثباتیِ دنیا

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے
اندیشہ و اضطراب دن رات کا ہے
تنہا میں، فلک کجی پہ، خلقت دشمن
ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

اخلاقی رباعی (178) بے ثباتیِ دنیا

کیوں آج دِلا! خیالِ فردا نہ کیا
بھولا جو برے وقت کو اچھا نہ کیا
پیدا کیا سب کچھ تو، مگر آہ انیسؔ!
زادِ سفرِ مرگ، مہیا نہ کیا

اخلاقی رباعی (179) بے ثباتیِ دنیا

ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو
کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
درکار اگر ہے زادِ راہِ عقبیٰ
سب چھوڑ کے، دنیا سے اُٹھالے دل کو

اخلاقی رباعی (180) بے ثباتیِ دنیا

غفلت میں نہ کھو عمر جہاں فانی ہے
کچھ خیر تو کر لے وہی کام آنی ہے
کارِ امروز را بفردا نہ گزار
جو رہ گیا آج کل پشیمانی ہے

اخلاقی رباعی (181) بے ثباتیِ دنیا

جو شے ہے فنا، اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم، اُسے سِوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

اخلاقی رباعی (182) بے ثباتیِ دنیا

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اُٹھا کے ویرانی ہے
مشہور علاجِ دردِ سر ہے صندل
یاں خاکِ لحد صندلِ پیشانی ہے

اخلاقی رباعی (183) بے ثباتیٔ دنیا

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں
جز تیرا کرم، کچھ اور درکار نہیں
مجھ سا نہیں عالم میں گنہ گار اگر
تجھ سا بھی تو اور کوئی غفّار نہیں

اخلاقی رباعی (184) بے ثباتیٔ دنیا

ڈھونڈوں تو نہ صورتِ بحالی نکلے
کیا ورطۂ غم سے طبعِ عالی نکلے
سَو بار بھروں تو شور بخت ایسا ہوں
دریا سے مرا جام بھی خالی نکلے

اخلاقی رباعی (185) بے ثباتیٔ دنیا

جس شخص کو عقبیٰ کی طلب گاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اِک چشم میں کس طرح سمائیں دونوں
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

اخلاقی رباعی (186) بے ثباتیٔ دنیا

ایذا سے نہ کوئی اُس میں اصلا چھوٹا
ادنیٰ چھوٹا، نہ کوئی اعلیٰ چھوٹا
دنیا کا بھی زنداں ہے عجب مہلک وسخت
جس میں پھنس کر نہ کوئی بندا چھوٹا

اخلاقی رباعی (187) بے ثباتیٔ دنیا

آنکھیں کھولیں، مگر یہ پردا نہ کھلا
سب ہم پہ کھلا، پہ حالِ دنیا نہ کھلا
دریاے تفکّر میں رہے برسوں غرق
مانندِ حباب یہ معمّا نہ کھلا

اخلاقی رباعی (188) بے ثباتیٔ دنیا

دنیا سے رہائی ہو یہ وہ جال نہیں
چھوٹے بھی جو مر کر تو پروبال نہیں
ظاہر بینوں کو کیا خبر باطن کی
آئینے میں عکسِ صورتِ حال نہیں

اخلاقی رباعی (189) بے ثباتیِ دنیا

جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی
پایا اُسے ویران، جو بستی دیکھی
جو فیل نشیں تھے کل، پیادہ ہیں وہ آج
دنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

اخلاقی رباعی (190) بے ثباتیِ دنیا

دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ
اے پختہ مزاجو! طمعِ خام ہے یہ
ہاں سوچ کے پاؤں اس زمیں پہ رکھیو!
چھٹتا نہیں پھنس کے جس میں وہ دام ہے یہ

اخلاقی رباعی (191) بے ثباتیٔ دنیا

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

اخلاقی رباعی (192) بے ثباتیٔ دنیا

غافل وہ ہے جو عاقبت اندیش نہیں
وہ کون سا نوش ہے جو بے نوش نہیں
جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے
افسوس کہ کچھ تجھ کو پس و پیش نہیں

اخلاقی رباعی (193) بے ثباتیٔ دنیا

راحت کا مزا عدوے جانی نکلا
دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہِ دنیا پہ، انیسؔ!
نکلا بھی کبھی، تو شور پانی نکلا

اخلاقی رباعی (194) پیری-ضعف

ہُشیار کہ وقتِ ساز و برگ آیا ہے
ہنگامِ یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاجِ عصا ہوے تو پیری نے کہا
چلیے اب چوب دارِ مرگ آیا ہے

اخلاقی رباعی (195) پیری-ضعف

دل سے طاقت بدن سے گس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اِک برس جاتا ہے

اخلاقی رباعی (196) پیری-ضعف

پیری آئی عذار بے نور ہوئے
یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیسؔ
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

اخلاقی رباعی (197) پیری۔ضعف

پیری سے خاک مہربانی نہ ہوئی
وقت آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے آتے لوگ
افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

اخلاقی رباعی (198) پیری۔ضعف

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے؟
پیری میں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اِس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

اخلاقی رباعی (199) پیری-ضعف

آزادی میں آفتِ اسیری آئی
شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی
ایّامِ شب کس کو کہتے ہیں انیسؔ
موسم طفلی کا تھا کہ پیری آئی

اخلاقی رباعی (200) پیری-ضعف

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی
منزل ہے یہی، بشر کا ماوا ہے یہی
انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا
اے پیرِ زمیں گیر تری جا ہے یہی

اخلاقی رباعی (201) پیری۔ضعف

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذّت، نہ مزا پانی کا
مر رہیے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ!
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

اخلاقی رباعی (202) پیری۔ضعف

پیری میں یہ تن کا حال ہوجاتا ہے
ہر موئے بدن وبال ہوجاتا ہے
دنیا میں کمال کو بھی آخر ہے زوال
جب بدر گھٹا ہلال ہوجاتا ہے

اخلاقی رباعی (203) پیری۔ضعف

راتیں نہ وہ اب ہوں گی، نہ خواب آئے گا
آیا بھی تو زیست کا جواب آئے گا
اُٹھو، اب انتظار کس کا ہے، انیسؔ!
نے عمر پھرے گی، نہ شباب آئے گا

اخلاقی رباعی (204) پیری۔ضعف

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا
اے عمرِ دراز! خوب سِن دکھلایا
ہلتا ہے جو سر، تو کہتے ہیں موئے سپید
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

اخلاقی رباعی (205) پیری-ضعف

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر
دنیا سے انیسؔ اب تو بیزاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید
ہے صبحِ اجل کُوچ کی تیاری کر

اخلاقی رباعی (206) پیری-ضعف

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے
پھر ہوگی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیسؔ
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

اخلاقی رباعی (207) پیری-ضعف

جب تک ہے جواں، سیر ہے نظارہ ہے
پیری سے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے
جھک جائے سوئے زمیں نہ کیونکر قدِ راست
اِک روح پہ یہ خاک کا پشتارہ ہے

•اخلاقی رباعی (208) موت-فانی دنیا

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
مشکل آنا اِس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو، رختِ نَو پہن کر غافل
اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

اخلاقی رباعی (209) موت-فانی دنیا

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے!
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے!
تھا کون سا نخل، جس نے دیکھی نہ خزاں؟
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے!

اخلاقی رباعی (210) موت-فانی دنیا

طفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حبابِ آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اخلاقی رباعی (211) موت–فانی دنیا

سینے میں یہ دمِ شمع سحرگاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیس
اے عمرِ دراز! تیری کوتاہی ہے

اخلاقی رباعی (212) موت–فانی دنیا

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گومگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل
ہُشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

اخلاقی رباعی (213) موت-فانی دنیا

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق، وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے، انیسؔ!
جب ہم نہ رہے، تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

اخلاقی رباعی (214) موت-فانی دنیا

کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا
چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے، مگر آہ، انیسؔ!
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

اخلاقی رباعی (215) موت - فانی دنیا

دو دن کی حیات پر عبث غرّہ ہے
خورشید نہ بن، خاک کا تو ذرّہ ہے
مردُم کے نہالِ زندگانی کے لیے
یہ آمد و شد دم کی نہیں ارّہ ہے

اخلاقی رباعی (216) موت - فانی دنیا

آرام سے کس دن تہِ افلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں
افسوس نہ جب پنجتن پاک رہے

اخلاقی رباعی (217) موت - فانی دنیا

طے منزلِ وحشت و محن ہونی ہے
فرقت، بینِ روح و تن ہونی ہے
کیوں نامِ کفن سن کے لرزتا ہے انیس
اِک دن یہ قبا زیبِ بدن ہونی ہے

اخلاقی رباعی (218) موت - فانی دنیا

دل بُت سے اُٹھا کے حق پرستی کیجیے
بے تیغ انیس قطعِ ہستی کیجیے
آخر اِک دن یہ پاؤں ہوں گے بیکار
بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجیے

اخلاقی رباعی (219) موت-فانی دنیا

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ
جو اَوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اِک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

اخلاقی رباعی (220) موت-فانی دنیا

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

اخلاقی رباعی (221) موت-فانی دنیا

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
اِس زیست پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

اخلاقی رباعی (222) موت-فانی دنیا

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے
جو رگ ہے بدن پہ رشتۂ مسطر ہے
معنی سے بھرا ہوا ہے دل شکلِ کتاب
کیا غم ہے جو تن مثلِ قلم لاغر ہے

اخلاقی رباعی (223) موت-فانی دنیا

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو! کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جُز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

اخلاقی رباعی (224) موت-فانی دنیا

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے
دَم بھر نہ ہوئے، امیر، کہنے کے لیے
محتاج کے محتاج اُسی طرح رہے
پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کے لیے

اخلاقی رباعی (225) موت-فانی دنیا

کچھ پند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی
دُنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی
دن رات یہیں کے ساز و ساماں میں رہے
جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

اخلاقی رباعی (226) موت-فانی دنیا

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے
انسان کا دل ہے داغ اُٹھانے کے لیے
بوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اخلاقی رباعی (227) موت-فانی دنیا

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اخلاقی رباعی (228) موت-فانی دنیا

گھر چھوڑ کے بہرِ جستجو نکلیں گے
اس باغِ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو
پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے

اخلاقی رباعی (229) موت-فانی دنیا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
اِک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیس!
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

اخلاقی رباعی (230) موت-فانی دنیا

کچھ ملک عدم میں رنج کا نام نہ تھا
معلوم ہمیں اپنا سہ انجام نہ تھا
آئے جو یہاں تو بس ہوا یہ ثابت
اک موت سے ملنا تھا کوئی کام نہ تھا

اخلاقی رباعی (231) موت-فانی دنیا

دل میں غمِ یارانِ وطن لے کے چلے
اس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے
نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

اخلاقی رباعی (232) موت-فانی دنیا

کو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
لب خشک ہیں چشم تر ہے، خاموش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا
مانند حباب خانہ بردوش ہوں میں

اخلاقی رباعی (233) موت-فانی دنیا

شاہوں کا وہ تخت و علم و تاج نہیں
یاں کچھ شرف غنی و محتاج نہیں
حسرت کی جگہ یہ ہے کہ اکثر اشخاص
کل تک اِنہیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

اخلاقی رباعی (234) موت-فانی دنیا

اِک شعلۂ نور طور سے آیا ہے
مژدہ جاں بخش دور سے آیا ہے
باندھو کمر آداب بجا لاکے انیس
فرمانِ طلب حضور سے آیا ہے

اخلاقی رباعی (235) موت-فانی دنیا

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اُٹھو اُٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

اخلاقی رباعی (236) قبر

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جُز خاک، نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ! کون ہووے گا انیسؔ
ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

اخلاقی رباعی (237) قبر

خاموشی میں یاں لذّتِ گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا نہ کسی دُشمن کا
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

اخلاقی رباعی (238) قبر

اِک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا
گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

اخلاقی رباعی (239) قبر

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے
تنہا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

اخلاقی رباعی (240) قبر

اُس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے
اب جائیں کہاں؟ اجل کے بس میں آئے
گھر سے نکلے تو کنجِ مرقد پایا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

اخلاقی رباعی (241) تبر

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری
اے کنجِ لحد کے سونے والو! افسوس!
کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

اخلاقی رباعی (242) تبر

نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی
آواز علیؑ علیؑ کی ہاں نکلے گی
جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیسؔ
یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

اخلاقی رباعی (243) قبر

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے احباب
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

اخلاقی رباعی (244) قبر

ہر چند کہ ہے بلند پایہ سر کا
پر حیف ہوا تمام مایہ سر کا
کہتی ہے یہ پُشت خم کہ چل سوئے لحد
گرتا ہے ترے پانْو پہ سایہ سر کا

اخلاقی رباعی (245) قبر

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

اخلاقی رباعی (246) قبر

دنیا سے کوئی دم میں سفر تیرا ہے
نے مال نہ فرزند نہ زر تیرا ہے
آغازِ عمارت کی عبث ہے تجھے فکر
انجام کو دیکھ، قبر گھر تیرا ہے

اخلاقی رباعی (247) قبر

محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا
تُربت دیکھی، فشار بھی دیکھ لیا
بے مہریِ آسماں کے شاکی تھے بہت
صد شکر، زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

اخلاقی رباعی (248) قبر

اِتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیس
اِک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

اخلاقی رباعی (249) قبر

درد و الم ممات کیوں کر گزرے
یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے
مرنے کا تو دن گزر گیا، شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

اخلاقی رباعی (250) قبر

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا
میّت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیسؔ!
کیا گزرے گی، جب قبر میں سونا ہوگا

اخلاقی رباعی (251) قبر

اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے
لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مرمر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

اخلاقی رباعی (252) قبر

خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے
راحت کی طلب، نہ چین کی خواہش ہے
ہمدم بیگانگی، مکاں گوشۂ قبر
بستر یہی خاک، ترکِ سر بالش ہے

اخلاقی رباعی (253) قبر

فردوس ہر اِک قبر کا کونا ہوگا
مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت دنیا میں غیر ممکن ہے، انیسؔ!
آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

اخلاقی رباعی (254) قبر

بالوں پہ غبارِ شیب ظاہر ہے اب
ہُشیار انیسؔ تو مسافر ہے اب
پیدا ہے سپیدیِ سحر پیری کی
لے خواب سے چونک، رات آخر ہے اب

اخلاقی رباعی (255) قبر

اب زیرِ قدم لحد کا باب آپہنچا
ہشیار ہو جلد وقتِ خواب آپہنچا
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی، آہ انیسؔ!
ہنگامِ غروبِ آفتاب آپہنچا

اخلاقی رباعی (256) قبر

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے
یارانِ وطن پھر، نہ وطن ملتا ہے
اسبابِ جہاں سے دیکھ تو اے غافل
مٹّی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

اخلاقی رباعی (257) قبر

ہر اوج کو ایک روز پستی ہوگی
اپنی کسی ویرانے میں بستی ہوگی
ہے کون جو مینھ اشکوں کا برسائے گا
حسرت مری تربت پہ برستی ہوگی

ذاتی رباعی (258) ریاضت شاعری-عرق ریزی

کیا جانیے صبر و تاب کہتے ہیں کسے
آرام ہے کیا، شباب کہتے ہیں کسے
پھنکتا رہتا ہوں تا سحر صورتِ شمع
آگاہ نہیں کہ خواب کہتے ہیں کسے

ذاتی رباعی (259) بخشش

بخشش میں غمِ شاہ کو کافی پایا
تُربت میں بھی لطفِ سینۂ صافی پایا
دوزخ کیسا، دکھا کے داغوں کا چراغ
ہم نے پروانۂ معافی پایا

ذاتی رباعی (260) تعارف-تعلّی-شرف

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِّ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علَم
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

ذاتی رباعی (261) تعارف-تعلی

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے
ناداں یہ کسے فریب تو دیتا ہے
لازم نہیں اپنے منھ سے تعریف انیس
خالص ہے جو مشک آپ بُو دیتا ہے

ذاتی رباعی (262) تعارف-تعلی

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سَو میں نہیں
ہرچند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ سخن
پر غیرِ دوات کچھ قلمرو میں نہیں

ذاتی رباعی (263) تعارف-تعلّی

آئینہ ہے سب حال وہ حیراں ہوں میں
خاطر ہے جمع، گو پریشاں ہوں میں
مردُم کی پلک ہلی کہ مطلب سمجھا
ہر اِک کی نگاہ کا زباندان ہوں میں

ذاتی رباعی (264) تعارف-تعلّی-مشقِ سخن

ہشیار ہے سب سے باخبر ہے جب تک
بیدار ہے، عالم پہ نظر ہے جب تک
پیدا ہے صریرِ کلک سے یہ آواز
کر فکرِ سخن، زبان تر ہے جب تک

ذاتی رباعی (265) تعارف-تعلّی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے
جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زباں
تلوار ضروری ہے سپاہی کے لیے

ذاتی رباعی (266) تعارف-تعلّی-قدردانی احباب

ہر بند پہ ذاکر کو صلا دیتے ہیں
ہر شعر کی داد جابجا دیتے ہیں
کیا جانیے کاملوں پہ کیا ہو گا لطف
مجھ سے ناقص کا دل بڑھا دیتے ہیں

ذاتی رباعی (267) تعارف-تعلی-شیریں بیانی

کس منھ سے کہوں لائقِ تحسیں ہوں میں
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

ذاتی رباعی (268) تعارف-تعلی-قادرالبیانی

مدّاحِ شہہ یثرب و بطحا ہم ہیں
ہر عیب و غرور سے مبرّا ہم ہیں
گو دل میں ہزاروں دُرِ مضموں ہیں مگر
خاموش بسانِ لبِ دریا ہم ہیں

ذاتی رباعی (269) تعارف-تعلّی

باندھے ہوئے گوہرِ سخن لائے ہیں
بازار جو بند ہے تو شرمائے ہیں
کہتے تھے یہ روز جنس لینے والے
جب اُٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

ذاتی رباعی (270) تعارف-تعلّی

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

ذاتی رباعی (271) تعارف-تعلّی-گل بیانی

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اک نعرۂ آفرین و تحسیں ہو جائے
جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

ذاتی رباعی (272) تعارف-تعلّی-قادرالبیانی

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے
پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے
گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیس
تاحال زباں کو شوقِ دُر ریزی ہے

ذاتی رباعی (273) تعارف-تعلّی-خوشبوےکلام

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جاے
عطر عنبر ہر ایک آنسو ہو جاے
یاد آئے شمیم زلفِ ہمشکلِ رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جاے

ذاتی رباعی (274) تعارف-تعلّی

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے
بیگانہ و آشنا ہیں بارے سب سے
دریا سے ملے ہوئے ہیں مثلِ ساحل
پھر دیکھیے گر تو ہیں کنارے سب سے

ذاتی رباعی (275) تعارف-تعلّی - جاودانہ کلام

ہاں، بعدِ فنا سخن نشاں ہے میرا
دنیا میں یہ باغ بے خزاں ہے میرا
تاحشر رہے گا نام اس سے روشن
ہر شعر چراغِ دودماں ہے میرا

ذاتی رباعی (276) تعارف-تعلّی - دیدہ ریزی

ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے
تب مدح امامِ مدنی ہوتی ہے
بے سوز و گداز کب سخن کو ہو فروغ
جب شمع گُھلے تو روشنی ہوتی ہے

ذاتی رباعی (277) تعارف-تعلّی-قادرالکلامی

فرصت نہ ذرا چشم کو اک پل بھر دوں
ہو جائیں پہاڑ غرق، جنگل بھر دوں
کیا اَبر مقابلہ کرے گا میرا
دم بھر روؤں! اگر تو جل تھل بھر دوں

ذاتی رباعی (278) تعارف-تعلّی

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس
ہم اُس کو نظر آئیں گے جو بینا ہے

ذاتی رباعی (279) تعارف-تعلّی

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں
مہکے گا یہ آپ اِس کو جہاں بند کروں
ہیں نافہ کشائے سخن اِس بزم کے لوگ
دل ان کے کھلیں کب جو زباں بند کروں

ذاتی رباعی (280) تعارف-تعلّی-نکتہ دانی

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے
غرّہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے
خالِ رُخِ اکبرؑ کی جو کی ہے توصیف
دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

ذاتی رباعی (281) تعارف-تعلّی-لطفِ سخن

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے
دعوائے ہنر، نہ عیب خودبینی ہے
مدّاحِ گُلِ گلشنِ زہراؑ ہم ہیں
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے

ذاتی رباعی (282) تعارف-تعلّی-روزمرّا

بے جا نہیں مدحِ شہہؑ میں غرّا میرا
بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا
مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سن کے روز مرّا میرا

ذاتی رباعی (283) تعارف-تعلّی-حسن بیان

تاباں فلکِ سخن کے تارے ہم ہیں
ممتاز اسی شرف سے بارے ہم ہیں
ہر چند ہے حسنِ سخن اُس پر موقوف
پر قافیے کی طرح کنارے ہم ہیں

ذاتی رباعی (284) تعارف-تعلّی-ناطقے بند ہیں

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہ سنجی بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منھ جو زباں بند کروں

ذاتی رباعی (285) تعارف-تعلّی-مدّاحِ شبیرؑ

رُتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا
مدّاحِ شبّیرؑ ہے جوہر میرا
ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطعِ سخن
خامے کی طرح اگر کٹے سر میرا

ذاتی رباعی (286) تعارف-تعلّی

کانپا نہ جگر، نہ دل نہ چہرا اُترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل پہ جس کے ٹھہرے یارو قدم
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

ذاتی رباعی (287) تعارف-تعلّی-شیریں بیانی

نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے
باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو
ہے طُرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

ذاتی رباعی (288) تعارف-تعلّی-تخیل جامعہ الفاظ میں

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں
مانند نگہِ بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں، مرغِ معانی بچ کر
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

ذاتی رباعی (289) تعارف-تعلّی

پروا تیغِ زباں کو سجنے کی نہیں
حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دُربار ہے ابرِ طبع لیکن ہوں خموش
عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

ذاتی رباعی (290) تعارف-تعلّی-ریاضت

دل روز بروز ناتواں رہتا ہے
مضمونِ سبک دل پہ گراں رہتا ہے
ہر آن گھلاتی ہے مجھے فکرِ سخن
تن مثلِ قلم صَرفِ زباں رہتا ہے

ذاتی رباعی (291) تعارف-تعلّی

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ، کیا کیا اُترا
پر نشّہ نہ اُلفتِ علیؑ کا اُترا
جب ہوش میں آکے تھم گئی طبعِ انیسؔ!
ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

ذاتی رباعی (292) تعارف-تعلّی

مضمونِ انیسؔ کا نہ چربا اُترا
اُترا بھی، تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقّاش نے سَو طرح کی خفّت کھینچی
تصویر نہ کھنچ سکی، تو چہرا اُترا

ذاتی رباعی (293) تعارف-تعلّی

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو
ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو
اندازِ کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم
موسیٰؑ سے رموزِ لن ترانی پوچھو

ذاتی رباعی (294) تعلّی-معجز بیانی

ہو جاتی ہے سہل پیشِ دانا مشکل
دل نے نہ کسی امر کو جانا مشکل
مدحِ شہِؑ دیں میں ہے گر دل کا یہ قول
ہے بحر کا کوزے میں سمانا مشکل

ذاتی رباعی (295) پلِ صراط

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے
تھرّاتا ہے کیوں انیسؔ، پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط
شبیرؑ سا دستگیر یاں رہبر ہے

ذاتی رباعی (296) بیماری-سفرِ آخرت

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کے دَم اس واسطے بھرتا ہوں میں

ذاتی رباعی (297) سرمایۂ بخشش

بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری
غم کے لیے پیری و جوانی ہے مری
رونا ہے کبھی اور کبھی آہیں بھرنا
اِس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

ذاتی رباعی (298) بیماری-بالین

جب نزعِ رواں سے جسم بے قابو ہو
لب پر تیرا ہو ذکر، دل میں تو ہو
ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حیّ و قدیر
ہر سانس میں لا الــــہ الا ھــو ہو

ذاتی رباعی (299) بیماری-بالین

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا
پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہوگا
اُس روز کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

ذاتی رباعی (300) بیماری-شفا

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے
ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے
درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو
امدادِ امامؑ قل کفی کافی ہے

ذاتی رباعی (301) بلندیٔ کلام۔ خستگیٔ آواز

اندازِ سخن تم جو ہمارے سمجھو
جو لطفِ کلام ہیں وہ سارے سمجھو
آواز گرفتہ گو ہے اس ذاکر کی
پہرو رووٴ اگر اِشارے سمجھو

ذاتی رباعی (302) بیماری۔ بالین

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے
آقا آئے، ہمارے آقا آئے
عجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے
اے جان نکل علیٔ اعلیٰ آئے

ذاتی رباعی (303) بیماری-خطابت

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے
یہ ہے غمِ شبیرؑ کی تاثیر انیس
آوازِ قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

ذاتی رباعی (304) ضعف-بیماری

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یا رب!
اب زیست کے دن نباہتا ہوں یا رب!
طالب زر و مال کے ہیں سب دنیا میں
میں تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں یا رب!

ذاتی رباعی (305) ضعف-بیماری

تن پر ہے عرق عجب تب و تاب میں ہوں
کیا جانے غش آ گیا ہے یا خواب میں ہوں
اِک سینۂ سوز ناک و چشمِ نم سے
آتش میں کبھی ہوں اور کبھی آب میں ہوں

ذاتی رباعی (306) پیری-ضعف

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جُو میں انیسؔ
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

ذاتی رباعی (307) پیری-ضعف

ہے سخت ملول طبعِ ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری
اللہ رے زور ناتوانی کا انیسؔ
آوازۂ مرگِ دل ہے آواز مری

ذاتی رباعی (308) پیری-ضعف

کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف
غم خود لے جائے شادمانی کی طرف
تیرا جو کرم ہو تو مثالِ مہِ نو
پیری سے پہنچ جاؤں جوانی کی طرف

ذاتی رباعی (309) پیری-ضعف

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں
دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پہ یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد
ہوتا ہے یقیں کہ زندہ درگور ہوں میں

ذاتی رباعی (310) پیری-ضعف

کم زور ایسا کسی کو پیری نہ کرے
بلبل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے
رہ جاؤں زمیں پہ صورتِ نقشِ قدم
گر میری عصا بھی دستگیری نہ کرے

(311)

ذاتی رباعی — پیری۔ضعف

آلودہ عبث اس غمِ جانکاہ میں ہے
زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے
اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیسؔ
پہنچا کوئی منزل پہ، کوئی راہ میں ہے

(312)

ذاتی رباعی — پیری۔ضعف

عقبیٰ کے ہر اِک کام سے ناکام ہے تو
اس وقت میں بھی طالبِ آرام ہے تو
اے وائے انیسؔ پختہ کاری یہ تری!
سب بال تو پک گئے، مگر خام ہے تو

ذاتی رباعی (313) پیری۔ضعف

عازم طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یا رب! ترا نامِ پاک جپنے کے لیے
گویا اِک ہڈّیوں کا مالا ہوں میں

ذاتی رباعی (314) پیری۔ضعف

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیسؔ کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

ذاتی رباعی (315) ضعفِ صدا

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر تعزیہ دار شاہِؑ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر کنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن، سوگ نشیں ہے آواز

ذاتی رباعی (316) قدرِ سخن فہم

میزانِ سخن سنج میں تلتا ہوں میں
فکر گہرِ نظر میں گھلتا ہوں میں
دل رہتا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح
جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

ذاتی رباعی (317) منکر نکیر

واحد ہے جو، عبدِ نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو، مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ
قنبر کا جو مولاؔ ہے، غلام اُس کا ہوں

ذاتی رباعی (318) تعلّی - چشمک - ناقدری

ہم سے کوئی اہلِ کبر غرّا تو کرے
ہر عیب سے آپ کو مبرّا تو کرے
کیا فاختہ بکشے گی بھلا بلبل سے
صاف اپنا وہ پہلے روز مرّا تو کرے

ذاتی رباعی (319) تعلّی - چشمک - مضامین

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدانِ مضامیں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ذاتی رباعی (320) تعلّی - چشمک - حسد و ناقدری

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی ادنیٰ بھاری
کھل جاتا ہے ذی قدر پہ ہلکا بھاری
حاسد سرکش ہے اور میں اُفتادۂ خاک
اب دیکھیے ہے کون سا پلّہ بھاری

ذاتی رباعی (321) تعلّی - مخالفین

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ ری ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثلِ شمع، جلنے والے

ذاتی رباعی (322) تعلّی - اقرار

رونق دہِ بزمِ خوش بیانی ہم ہیں
رشکِ گلِ باغِ نکتہ دانی ہم ہیں
فیضِ غمِ شاہؒ بحر و بر سے، لاریب
دُشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

ذاتی رباعی (323) تعلی - سرقۂ مضامین

کس دن مضمونِ نو کا نقشا اُترا
پُردرد معانی کا نہ چہرا اُترا
منبر سے ہم اُترے، نئے مضموں پڑھ کر
اُن کے لیے گویا من و سلوا اُترا

ذاتی رباعی (324) ناقدریٔ زمانہ

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوے دوستانِ یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ذاتی رباعی (325) ناقدریٔ زمانہ

ناقدریِ احباب سے حیراں ہوں میں
آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں
ہے اِک نظرِ لطف ہماری قیمت
بینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

ذاتی رباعی (326) ناقدری-حسادت

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
لذّت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
اِس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
دوچار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

ذاتی رباعی (327) تعلّی

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدحِ امامؑ نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا! یہ شرف تیری غلامی کا ہے

ذاتی رباعی (328) خاکساری

دل کو آرام، بے قراری سے ملا
سینے کو سرور آہ و زاری سے ملا
گلزارِ جہاں میں سرفرازی پائی
یہ پھل مجھے نخلِ خاکساری سے ملا

ذاتی رباعی (329) خاک نشینی-انکساری

پستی میں ہے لطفِ ارجمندی مجھ کو
بھاتا نہیں عیب خود پسندی مجھ کو
عریاں ہوں لباسِ عاریت سے جوں سرو
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو

ذاتی رباعی (330) مقصدِ طول عمر

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
یا رب! مجھے طولِ عمر دے تو، لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

ذاتی رباعی (331) وظیفہ

ہے افسرِ دیں، تاجِ سکندر حیدرؑ
اور بعد نبیؐ سب سے ہے بہتر حیدرؑ
ہے تجھ سے دُعا مری یہ اے ربِّ غفور!
جاری ہو مری زباں پہ حیدرؑ حیدرؑ

ذاتی رباعی (332) حضرت عباسؑ کی پناہ

اللہ اللہ عِزّ و جاہِ ذاکر
دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر
پنجہ جو علَم کا سرِ منبر ہے انیسؔ
ہے دستِ علمدارؑ پناہِ ذاکر

ذاتی رباعی (333) جامِ کوثر

جو بند کہا وہ نذرِ حیدرؑ کے لیے
جو بَیت کہی وہ خلد کے گھر کے لیے
اِس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں
اِک جامِ شرابِ حوضِ کوثر کے لیے

ذاتی رباعی (334) راہِ مولاؑ

عزّت رہے یار و آشنا کے آگے
مجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
گر پاؤں چلیں تو راہِ مولاؑ میں چلیں
یہ ہاتھ جب اُٹھیں تو خدا کے آگے

ذاتی رباعی (335) عجز و انکساری

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کشت ہوں میں
قابل نہیں تعمیر کے وہ خشت ہوں میں
ناچار، جو مولاؑ بھی شفاعت نہ کریں
مشاطہ کا کیا گلہ کہ خود زِشت ہوں میں

ذاتی رباعی (336) نصیب

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے
موسیٰؑ کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر
قسمت سے مری سوزنِ عیسیٰؑ ہو جائے

ذاتی رباعی (337) دنیا راحت کی جگہ نہیں

افسوس کہ چین مصطفےٰؐ کو نہ ملے
آرام علیؑ مرتضیٰؑ کو نہ ملے
ہم لوگ کسی سے کیا توقع رکھیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ ملے

ذاتی رباعی (338) مدح سرائی

کیا ہو سکے، بحرِ طبع گو جوش پہ ہے
اِک مہر سی گویا لبِ خاموش پہ ہے
کس طرح کروں قطع تری مدح کی راہ
پشتارہ گناہوں کا مرے دوش پہ ہے

ذاتی رباعی (339) قدر و قیمت سخن

انسان ذی عقل و ہوش ہوجاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہوجاتا ہے
گر جان نہیں سخن، تو بتلایئے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہوجاتا ہے

ذاتی رباعی (340) مخالفین کی معرکہ گیری-طلب امدادِ امامؑ

سنیے فریاد یا حسینؑ ابنِ علیؑ
دیجیے مری داد یا حسینؑ ابنِ علیؑ
عالم غدّار اور میں نحیف و زار
اِمداد اِمداد یا حسینؑ ابنِ علیؑ

ذاتی رباعی (341) قبر

ساقیِ شرابِ حوضِ کوثر حیدرؑ
حامی حیدرؑ، شفیعِ محشر حیدرؑ
پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
میں قبر سے چلّاؤں کہ حیدرؑ حیدرؑ

سماجی رباعی (342) غدر

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک، نکل چلو جلد انیسؔ
اب یاں کی زمیں اور فلک اَور ہوا

سماجی رباعی (343) غدر۔ بربادیٔ لکھنؤ

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو یوں غنیم برباد کرے
مانگو یہ دُعا کہ پھر خداوندِ کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

سماجی رباعی (344) غدر۔ بربادیٔ لکھنؤ

بادل آ آکے رو گئے ہائے غضب
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے اس سال
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

یہ رباعی لکھنؤ کی تباہی کے بعد کہی گئی۔ اس زمانے میں محرم برسات میں آیا تھا۔

345 سماجی رباعی غدر-دُعا

اے بادشہ کون و مکاں! اَدرِکنی
اے عقدۂ کشائے دوجہاں! اَدرِکنی
اب تنگ ہے دُشمنوں کے ہاتھوں سے انیسؔ
یا حضرتِ صاحب الزماںؑ! اَدرِکنی

346 سماجی رباعی انقلابِ زندگی

دل نے غمِ بے حساب کیا کیا دیکھا
آنکھوں سے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھا
طفلی و شباب و عیش و رنج و راحت
اس عمر نے انقلاب کیا کیا دیکھا

سماجی رباعی (347) دربدری بعد از غدر

پوچھو نہ خبر کہ بے خبر ہیں اب تو
آوارہ وطن، خاک بسر ہیں اب تو
مانندِ نگیں خاک نشیں تھے آگے
حلقے کی طرح سے دربدر ہیں اب تو

سماجی رباعی (348) نواب تجمل حسین کی منعقدہ مجلس

اُمید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیسؔ
ملتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

یہ رباعی 1857ء کی ہلچل کے بعد نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری، لکھنؤ کی مجلس میں انیسؔ نے پڑھی تھی۔ جنگ آزادی کی افراتفری کے باوجود مجلس میں بڑا مجمع ہوا۔ مفتی میر محمد عباس صاحب بھی شریک ہوئے تھے، اسی مجلس کی طرف اشارہ ہے۔

سماجی رباعی (349) مجلس مختار الملک

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں
مختار الملک و بندگانِ عالی
رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

سماجی رباعی (350) رحلت مرزا غالبؔ دہلوی

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداح علیؑ کا مرتبہ اعلا ہے
غالبؔ اسدؔ اللہ کی خدمت میں گئے

میر انیسؔ نے یہ رباعی مرزا غالبؔ کے انتقال پر کہی۔

سماجی رباعی (351) رحلت میر مہدی علی لکھنوی

صد حیف کہ یار جاودانی نہ رہا
شبّیر کی مجلسوں کا بانی نہ رہا
افسوس افسوس میرِ مہدی افسوس
جیتے ہیں یہ لطف زندگانی نہ رہا

یہ رباعی میر انیسؔ نے اپنے سمدھی میر مہدی علی لکھنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

سماجی رباعی (352) حیدر آباد دکن

اللہ و رسولِؐ حق کی امداد رہے
سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نوّاب ایسا رئیسِ اعظم ایسے
یارب آباد حیدر آباد رہے

سماجی رباعی (353) حالات لکھنؤ بعد از غدر

انجام بخیر، ابتدا بگڑی ہے
گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے
کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں
اُلٹا دریا بہا، ہوا بگڑی ہے

اعتقادی رباعی (354) زیارت۔نجف

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیس
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

اعتقادی رباعی (355) زیارت-نجف/کربلا

اے بخت رسا سوئے نجف راہی کر
مجھ زار کو زائرِ یداللّٰہی کر
لے جا سوئے کربلا مری مشتِ غبار
اے بادِ صبا اتنی ہوا خواہی کر

اعتقادی رباعی (356) زیارت-نجف

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہوکر، صدشکر
دربارِ ابوترابؑ دیکھا ہم نے

اعتقادی رباعی (357) زیارت-نجف

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی
مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی
ملتا ہے قدم قدم پہ ذرِّ مقصود
چھانے، تو نجف کی خاک چھانے کوئی

اعتقادی رباعی (358) زیارت-نجف

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد، عمر آخر ہے انیس
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

اعتقادی رباعی (359) زیارت-نجف

کس شہر میں دُرِ مدعا ملتا ہے
سنتے ہیں نجف میں بارہا ملتا ہے
سرکارِ علیؑ وہ ہے کہ ہر بندے کو
دولت کیا مال ہے خدا ملتا ہے

اعتقادی رباعی (360) زیارت-نجف

دل میں ہو ترا درد تو درماں کیا ہے
تو پیشِ نظر ہو تو گلستاں کیا ہے
گر راہِ نجف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں
گر عشق حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

اعتقادی رباعی (361) زیارت-نجف

کیا فیض علی کے قدمِ پاک سے ہے
روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِّ نجف، قطرۂ آب
پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

اعتقادی رباعی (362) زیارت-نجف

خورشید شرف برجِ شرف میں ہوگا
جوہر معدن میں، دُر صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں اِسے دفن کرو
جو عاشقِ حیدرؑ ہے نجف میں ہوگا

اعتقادی رباعی (363) زیارت-نجف

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ
کیوں رُک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

اعتقادی رباعی (364) زیارت-نجف

عصیاں بالکل ثواب ہوجاتا ہے
پرسش سے وہ بے حساب ہوجاتا ہے
بنتی ہے شراب نو نجف میں سرکہ
جو زائرِ بوترابؑ ہوجاتا ہے

اعتقادی رباعی (365) زیارت-نجف

جبریلِ امیں کو فخرِ دربانی ہے
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہوجاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

اعتقادی رباعی (366) زیارت-نجف

توفیق ثنائے شہِؑ دیں پاؤں میں
جس میں کہ ہے نام وہ نگیں پاؤں میں
یارب! دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق
مر جانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

اعتقادی رباعی (367) زیارت-نجف

کل دل کو نہیں ہے آج کل، جائیں گے
اب ہند سے گھبرا کے نکل جائیں گے
ہاتھ آئے تو جادۂ صراطِ ایماں
گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

اعتقادی رباعی (368) زیارت-نجف

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
ذرّ ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

اعتقادی رباعی (369) زیارت۔ نجف

جو روضۂ حیدرؑ پہ مکیں ہوتا ہے
وہ داخل فردوسِ بریں ہوتا ہے
یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ
جس طرح کہ خاتم پہ نگیں ہوتا ہے

اعتقادی رباعی (370) زیارت۔ کربلا

یا زیست میں یا بعدِ فنا پہنچیں گے
یاور ہے اگر بخت تو جا پہنچیں گے
کیا دن ہوں گے نثار اس دن کے انیسؔ
جس روز قریبِ کربلا پہنچیں گے

اعتقادی رباعی (371) زیارت-کربلا

جو روضۂ شاہِؑ کربلا تک پہنچے
بے شبہ و شک وہ مصطفےٰؐ تک پہنچے
اللہ ری عزّ و شان زوّارِ حسینؑ
پہنچے جو حسینؑ تک، خدا تک پہنچے

اعتقادی رباعی (372) زیارت-کربلا

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا
بے سود، انیسؔ! ہر دَوا کو دیکھا
ہر دَور کے واسطے سریع التاثیر
دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

اعتقادی رباعی (373) زیارت-کربلا-خاکِ شفا

یا رب! یہ اثر مری دُعا میں مل جائے
اک قبر جوارِ شہدا میں مل جائے
صدقے میں ابوترابؑ کے یا غفار
یہ خاک مری خاکِ شفا میں مل جائے

اعتقادی رباعی (374) زیارت کربلا

مہجور ہوں جنت کے چمن والوں سے
مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے
یا رب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھ کو
جھاڑا ہے جسے فاطمہؑ نے بالوں سے

اعتقادی رباعی (375) زیارت-کربلا

یارب! مری میّت کو زمیں پاک ملے
دلچسپ مکاں، قبر فرحناک ملے
یوں خاکِ شفا میں مر کے مل جاؤں انیس
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

اعتقادی رباعی (376) زیارت-کربلا

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
غربت میں کفیل اُس کا خدا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اُسے، کعبے میں
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

اعتقادی رباعی (377) زیارت-کربلا

مرقد میں انیسؔ نہ کفن میں ہوگا
وہ روضۂ سلطانِ زمن میں ہوگا
چل کر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

اعتقادی رباعی (378) زیارت-کربلا

حاصل جو شۂ دیں کی حضوری ہو جائے
لاکھوں منزل سقر سے دوری ہو جائے
قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

اعتقادی رباعی (379) زیارت-کربلا

یارب! کہیں جلد وہ زمانا ہووے
بندہ سوئے کربلا روانا ہووے
لیکن یہ دُعا ہے، یا مجیب الدّعوات!
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

اعتقادی رباعی (380) زیارت-مشہد مقدس

جب دور سے ایوانِ عُلا کو دیکھا
لاریب کہ عرش کبریا کو دیکھا
سَو بار کیا طوافِ کعبہ، اے دل!
اِک بار جو روضۂ رضاؑ کو دیکھا

اعتقادی رباعی (381) بزم عزا۔ مجلس عزا

گلچیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے
مجلس ایسی نبیؐ کے پیارے ایسے
کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہوں گے
گردوں نے بھی گنجان ستارے ایسے

اعتقادی رباعی (382) بزم عزا۔ مجلس عزا

ہے فصلِ عزا، جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ، چشمِ بددور! انیس
کیا مجمعِ مومنیں ہے، کیا مجلس ہے

اعتقادی رباعی (383) بزمِ عزا - مجلسِ عزا

اِنس و مَلک و حور کی مجلس یہ ہے
تاجِ سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

اعتقادی رباعی (384) بزمِ عزا - مجلسِ عزا

تیرِ غم شہؑ سینے میں پیوستہ ہے
ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گُل جمع ہیں اِس مجلس میں
یہ بزمِ عزا خلد کا گلدستہ ہے

اعتقادی رباعی (385) بزمِ عزا۔مجلس عزا

یہ بزمِ عزائے پسرِ زہراؑ ہے
بیٹھو بہ ادب یاں گزرِ زہراؑ ہے
چادر سے ہر اِک کے اشک کرتی ہیں پاک
ہر چشم کے اوپر نظرِ زہراؑ ہے

اعتقادی رباعی (386) بزمِ عزا۔مجلس عزا

ابنِ اسدؓ اللہ کا دربار ہے یہ
مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ
پہلے دُرِ اشک نذر کرلیں مومن
پھر چاہیں سولیں سخی کی سرکار ہے یہ

اعتقادی رباعی (387) بزمِ عزا - مجلسِ عزا

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سُو ہے
ایک ایک عزادارِ شہؑ خوش خُو ہے
یا رب رہے یہ باغ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گُل ہے گُل میں بُو ہے

اعتقادی رباعی (388) بزمِ عزا - مجلسِ عزا

اُلفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں
ایسوں کو سعیدِ ازلی کہتے ہیں
اس بزم میں دھوپ اُٹھا کے آتے ہیں جو لوگ
ہنس کر طوبیٰ لکُم علیؑ کہتے ہیں

اعتقادی رباعی (389) بزمِ عزا-مجلس عزا

رونے کے لیے روحِ رسولؐ آتی ہے
کونین کی دولت ہمیں مل جاتی ہے
شیعہ کرتے ہیں جب دُعائیں مل کر
آمیں، آمیں، بتولؑ فرماتی ہے

اعتقادی رباعی (390) بزمِ عزا-مجلس عزا

اک نور کا گھر شہؑ کا عزاخانہ ہے
آباد محبوں سے یہ کاشانہ ہے
کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریلؑ اسی شمع کا پروانہ ہے

اعتقادی رباعی (391) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

اس بزم کو جنگ سے جو خوش پاتے ہیں
رضواں لیے گلدستۂ نور آتے ہیں
کیا صحن ہے گلشنِ عزائے شبیرؑ
پانی یہاں خضر آکے چھڑک جاتے ہیں

اعتقادی رباعی (392) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

حاضر ہوں نہ کیوں حضور کی مجلس ہے
حقا کہ تجلّیِ ظہور کی مجلس ہے
دیکھو جدھر آنکھ اٹھا کے روشن ہے مکاں
سبحان اللہ نور کی مجلس ہے

اعتقادی رباعی (393) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

مردُم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر
احسان یہ سر پر، یہ قدم آنکھوں پر
ہے عینِ شرف خدمتِ احبابِ حسینؑ
گو ہو نہ جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

اعتقادی رباعی (394) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

افلاکِ شرافت کے ستارے آئے
فردوس سے یاں نبیؐ کے پیارے آئے
مجلس میں ہوا روحِ ائمہؑ کا گزر
رونے کو طرفدار ہمارے آئے

اعتقادی رباعی (395) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

دنیا میں ہیں یہ علیؑ کے پیارے ایسے
رضواں ہے فدا، گُل ہیں یہ سارے ایسے
کہتا ہے مہِ عزا کہ افلاک نے بھی
دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

اعتقادی رباعی (396) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفےٰؐ میں آئے
اس بزم میں آئے جو محبانِ علیؑ
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

اعتقادی رباعی (397) بزمِ عزا۔مجلس عزا

ہر نالۂ دل جگر کو برما جائے
ایسا رووٗ کہ ابر شرما جائے
سرما تو گیا سرد ہے کیوں بزمِ حسینؑ
ٹھنڈی آہیں کرو تو گرما جائے

اعتقادی رباعی (398) بزمِ عزا۔مجلس عزا

پُرنور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں
زہرؑا و یدُاللّٰہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں بانالہ و آہ
شہؑ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

اعتقادی رباعی (399) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

دھوپ آکے یہاں پہ زرد ہوجاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہوجاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے آنسوؤں کا چھڑکاو
یاں گرم ہوا بھی سرد ہوجاتی ہے

اعتقادی رباعی (400) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
کیا خوب فضائے چمنِ ماتم ہے
سینے میں کھلے ہیں گلِ داغِ غمِ شاہؑ
گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

اعتقادی رباعی (401) بزم عزا-مجلس عزا

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے
پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے
اُس عشرے میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ
اِس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے

اعتقادی رباعی (402) بزم عزا-مجلس عزا

فردوس سے روحِ مصطفیٰؐ آتی ہے
پھولوں میں بسی بوئے صبا آتی ہے
گھبرائیں نہ گرمی سے عزادارِ حسینؑ
یاں گلشن جنت سے ہوا آتی ہے

اعتقادی رباعی (403) بزمِ عزا - مجلس عزا

محفل محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے
مجلس آقا کے سوگواروں کی ہے
چودہ معصومؑ کا ہے سایہ اس جا
شیعوں کے سروں پہ چھاؤں تاروں کی ہے

اعتقادی رباعی (404) بزمِ عزا - مجلس عزا

تکلیف کسی کی شہؑ کو منظور نہیں
جنت کی ہوا آئے تو کچھ دور نہیں
گر کر بھنتا نہیں زمیں پر دانہ
گرمی ہے مگر گرمیٔ عاشور نہیں

اعتقادی رباعی (405) بزم عزا - مجلس عزا

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ
سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی صورتوں کو، چشمِ بددور
مانیؔ بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

اعتقادی رباعی (406) بزم عزا - مجلس عزا

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

اعتقادی رباعی (407) بزمِ عزا- مجلس عزا

کیا بزم ہے کیا آہ و بُکا ہر سُو ہے
ایک ایک عزادار شہؑ خوش خو ہے
یا رب یہ رہے باغ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بُو ہے

اعتقادی رباعی (408) بزمِ عزا- مجلس عزا

عشرے سے دلوں پر رنج و غم چھائے ہیں
کی ہیں جو ریاضتیں تو پھل پائے ہیں
اللہ جزائے خیر دے مردم کو
تکلیف اُٹھا کے دور سے آئے ہیں

اعتقادی رباعی (409) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

عابدؑ سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں
بینا صفتِ مردمِ دیدہ سب ہیں
گلزار ہے لکھنؤ اِنہیں پھولوں سے
چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

اعتقادی رباعی (410) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے
ہر اشکِ عزادار گُہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر رولو!
اب ماہ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

اعتقادی رباعی **411** بزمِ عزا۔ مجلسِ عزا

رعبِ شہؑ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے عَلَم آتے ہیں

اعتقادی رباعی **412** عشرۂ محرم

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہؑ کا ماتم، افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
کیوں صاحبو! ہو چکا محرّم؟ افسوس!

اعتقادی رباعی (413) بزمِ عزا۔مجلسِ عزا

کس کام آئے گی تیز ہوشی تیری
ہے سرد وِلا میں گرم جوشی تیری
مجلس میں کیے جو اشک حضرت سے عزیز
ہے عین خطا یہ چشم پوشی تیری

اعتقادی رباعی (414) دورِ عزا

ہر وقت غمِ شاہِؑ زمن تازہ ہے
ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے دورِ عزا
جب دیکھیے یہ زخمِ کہن تازہ ہے

415
اعتقادی رباعی
دُعا

کیا دخل، سخن کوئی فلک پر پہنچے
نہ آہِ غریب و نہ تونگر پہنچے
جب صَلِّ علیٰ نبیؐ و آلہ کہیے
تو عرش تلک دُعا کا لشکر پہنچے

416
اعتقادی رباعی
گریہ-اشکِ عزا

شبیرؑ کے غم میں دل کو بے تابی ہے
شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے
دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں
ہر مردمِ چشم مردمِ آبی ہے

اعتقادی رباعی (417) گریہ-اشکِ عزا

شبیرؑ کا حشر تک ہے ماتم باقی
اور زیست کا عرصہ ہے بہت کم باقی
جی بھر کے حسینؑ ابنِ علیؑ کو رو لو
اب نصف ہے عشرۂ محرم باقی

اعتقادی رباعی (418) گریہ-اشکِ عزا

طفلی بہ نشاط و شادمانی کٹ جائے
یا عیش میں موسمِ جوانی کٹ جائے
سب کچھ یہ عبث ہے اے محبانِ حسینؑ
روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

اعتقادی رباعی (419) گریہ-اشکِ عزا

نیساں کو خجل، دیدۂ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اُٹھایا نہ کسی شادی میں
جو حظ غمِ شاہِؑ بحر و بر سے پایا

اعتقادی رباعی (420) گریہ-اشکِ عزا

نا گھر میں کفن نہ بوریا رکھتے ہیں
دامن میں گلِ اشکِ عزا رکھتے ہیں
انجام پہ ہے نظر سوم ہو کہ نہ ہو
یہ پھول ابھی سے ہم اُٹھا رکھتے ہیں

اعتقادی رباعی · 421 گریہ-اشکِ عزا

روںے سے فراغ اب کسی روز نہیں
بے غم کوئی دم جانِ غم اندوز نہیں
جز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد
جز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

اعتقادی رباعی 422 گریہ-اشکِ عزا

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاہؑ کریں
سر پیٹنے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں
ہر دانۂ اشک ہے ثوابِ تسبیح
تہلیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

اعتقادی رباعی (423) گریہ-اشکِ عزا

روmال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے
یہ راتیں، یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے
ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو!
دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

اعتقادی رباعی (424) گریہ-اشکِ عزا

عمر اپنی غمِ شہؑ میں بسر کر لے تو
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے، شغلِ ماتم میں سدا
پھر قصدِ جناں انیسؔ مر کر لے تو

اعتقادی رباعی (425) گریہ-اشکِ عزا

داغِ غمِ شہؑ دل میں اگر پیدا ہو
مر کر بھی محبت کا اثر پیدا ہو
گر بعدِ فنا خاک کو چھانیں میری
پیدا ہو اگر، تو چشمِ تر پیدا ہو

اعتقادی رباعی (426) گریہ-اشکِ عزا

یاں دھوپ بھی آکے زرد ہوجاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہوجاتی ہے
پنکھے آہوں کے، آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہوجاتی ہے

اعتقادی رباعی (427) گریہ-اشکِ عزا

رونے کا رسولِؐ حق صلا دیتے ہیں
شیعوں کو ملائکہ دُعا دیتے ہیں
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کے آنسو
ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بجھا دیتے ہیں

اعتقادی رباعی (428) گریہ-اشکِ عزا

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
اس دَم جو شریکِ درد ہووے میرا
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

اعتقادی رباعی (429) گریہ-اشکِ عزا

پیدا ہوئے دنیا میں اِسی غم کے لیے
رونا ہی جلا ہے چشمِ پُرنم کے لیے
ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو، ہاتھ ماتم کے لیے

اعتقادی رباعی (430) گریہ-اشکِ عزا

تدبیر کرو اشکوں سے منہ دھونے کی
اُمید نہیں اگلے برس ہونے کی
اے مومنو! افسوس کہ خاموش ہو تم
ہر سمت سے آتی ہے صدا رونے کی

اعتقادی رباعی (431) گریہ۔اشکِ عزا

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہوجائے
مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے
فضلِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے

اعتقادی رباعی (432) گریہ۔اشکِ عزا

سینوں میں جگر پہ تیرِ غم چلتے ہیں
رُخساروں پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

اعتقادی رباعی (433) گریہ-اشکِ عزا

اے شاہؑ کے غم میں جان کھونے والو
اے ابنِ علیؑ کے صدقے ہونے والو
اس اجرِ عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے
اب دو ہی شبیں اور ہیں، رونے والو!

اعتقادی رباعی (434) گریہ-اشکِ عزا

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی
پر شہؑ کے عزاداروں کو راحت ہوگی
دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو
قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

اعتقادی رباعی (435) گریہ-اشکِ عزا

ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے
جو زخم ہے اُس کے واسطے مرہم ہے
جز اس کے نہیں کوئی گناہوں کا علاج
رو نامِ حسینؑ لے کے جب تک دم ہے

اعتقادی رباعی (436) گریہ-اشکِ عزا

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
شادی کی خوشی میں، غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پر ابرِ اندوہ و ملال
رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

اعتقادی رباعی (437) گریہ-اشکِ عزا

دس دن جو یہ رونے میں بسر ہوجائیں
خوشنود شہِؑ تشنہ جگر ہوجائیں
موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک
حضرت کو جو منظورِ نظر ہوجائیں

اعتقادی رباعی (438) گریہ-اشکِ عزا

تعمیر نہ کر خراب ہونے کے لیے
غافل کیا قبر کم ہے سونے کے لیے
ہے عین خطا یہ چشم پوشی کے لیے
آنکھیں تجھے حق نے دی ہیں رونے کے لیے

اعتقادی رباعی (439) گریہ-اشکِ عزا

ہر دَم غمِ سبطِ شہِؑ لولاک کیا
جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
تر ہوگیا رومال، تو پھاڑا دامن
پایا نہ گریباں، تو جگر چاک کیا

اعتقادی رباعی (440) گریہ-اشکِ عزا

جس جا ذکرِ حسینؑ ہوجاتا ہے
رونے سے دلوں کو چین ہوجاتا ہے
آکر بزمِ عزائے شہؑ میں رونا
ہر چشم کو فرضِ عین ہوجاتا ہے

اعتقادی رباعی (441) گریہ-اشکِ عزا

جز مدحِ سخن منھ سے کوئی کم نکلے
ہر دم سینے سے آہ پُرنم نکلے
روحی بفداک یا حسینؑ ابنِ علیؑ
نکلے تو محبت میں تری دَم نکلے

اعتقادی رباعی (442) گریہ-اشکِ عزا

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے
شاہؑ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

اعتقادی رباعی (443) گریہ-اشکِ عزا

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے
کس طرح نہ اشک چشمِ تر سے نکلے
کیوں دل نہ اُداس ہوں عزاداروں کے
شبیرؑ اُنہیں دنوں میں گھر سے نکلے

اعتقادی رباعی (444) گریہ-اشکِ عزا

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی رِدا منھ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

اعتقادی رباعی (445) گریہ-اشکِ عزا

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے
اندازِ فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

اعتقادی رباعی (446) گریہ-اشکِ عزا

آئینہ خاطر کی جِلا ہے رونا
اور دیدۂ مردُم کی ضیا ہے رونا
پوچھا جو علاجِ دل، مسیحا نے کہا
ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

اعتقادی رباعی (447) گریہ-اشکِ عزا

آیا ہے محرم آہ و زاری کرلو
شبیرؑ کے غم میں بے قراری کرلو
از بسکہ کیے ہیں سیکڑوں تم نے گناہ
لو مفت ہی رو کے رستگاری کرلو

اعتقادی رباعی (448) گریہ-اشکِ عزا

ہر شب غمِ شہؑ میں جان کھویا کیجیے
ہر روز منھ آنسوؤں سے دھویا کیجیے
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیسؔ
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے

اعتقادی رباعی (449) گریہ-اشکِ عزا

عشرے کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں
جی بھر کے نہ روئے یہی پچھتاتے ہیں
رونا آئے تو خوب رو لو یارو!
چہلم کے بھی ایام چلے جاتے ہیں

اعتقادی رباعی (450) گریہ-اشکِ عزا

مظلوم پہ بزمِ مومنیں روتی ہے
ہے کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے
مرتا ہے جو کوئی رونے والا شہؑ کا
اُس پر چالیس دن زمیں روتی ہے

اعتقادی رباعی (451) گریہ-اشکِ عزا

اِس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے
حقّا کہ یہ بزم گلشنِ جنت ہے
رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شبیرؑ
کیا لوگ ہیں کیا وقت ہے، کیا صحبت ہے

اعتقادی رباعی (452) گریہ-اشکِ عزا

آنسو رُخِ مومن کے لیے غازہ ہے
شیعہ کی لحد خلد کا دروازہ ہے
داغِ غمِ شاہؑ سے ہے تربت روشن
یہ پھول خزاں میں بھی تر و تازہ ہے

اعتقادی رباعی (453) گریہ-اشکِ عزا

زر کے لیے حق نے کیمیا پیدا کی
جو درد دیا اُس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج
اُس کے لیے یہ خاکِ شفا پیدا کی

اعتقادی رباعی (454) گریہ-اشکِ عزا

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں
بھیگے جو مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں
یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے
خس خانے میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

اعتقادی رباعی (455) گریہ-اشکِ عزا

داغِ غمِ شہہؑ سینے میں گل بوٹے ہیں
کیا کیا گہرِ بیش بہا لوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس
اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

اعتقادی رباعی (456) گریہ-اشکِ عزا

ہر اشکِ عزادار، دُرِ یکتا ہے
قیمت فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے
اللہ ہے مشتری، فروشندہ رسولؐ
کیا جنس ہے، کیا بہا ہے، کیا سودا ہے

اعتقادی رباعی (457) گریہ-اشکِ عزا

مجلس میں عجب بہارِ چشمِ تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

اعتقادی رباعی (458) گریہ-اشکِ عزا

جو شاہؑ کے غم کو دل میں جا دیوے گا
اللہ اُسے اس کا صلا دیوے گا
اشکِ غمِ شبیرؑ کا، دیکھو تو اثر
اک قطرہ، جہنم کو بجھا دیوے گا

اعتقادی رباعی (459) گریہ-اشکِ عزا

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے ان کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نورِ چشمِ کوثر ہیں یہ اشک

اعتقادی رباعی (460) گریہ-اشکِ عزا

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں
مردُم کے لیے عزّ و شرف آنکھیں ہیں
جوشِ غمِ شبیرؑ سے دل ہے دریا
آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

461

اعتقادی رباعی — گریہ-اشکِ عزا

جو چشم غمِ شہؑ میں سدا روتی ہے
ہر لحظہ فزوں اس میں ضیا ہوتی ہے
اشکِ غمِ شبیرؑ کا رُتبہ دیکھو
یاں اشک کا قطرہ ہے وہاں موتی ہے

462

اعتقادی رباعی — گریہ-اشکِ عزا

کیا دستِ مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح
سبحان اللہ کیا بنائی تسبیح
آنسو نہیں رکتے ہیں غمِ شہؑ میں انیسؔ
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

اعتقادی رباعی (463) گریہ-اشکِ عزا

دل ماتمِ شبیرؑ میں صد پارہ ہے
نہ ضبطِ فغاں، نہ صبر کا یارہ ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہے دریا غم کا
ہر موئے مژہ چشم کا فوارہ ہے

اعتقادی رباعی (464) گریہ-اشکِ عزا

رونے کی جو غم میں شہؑ کے خو ہووے گی
واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی
اشکوں کا جو آب، رو پہ ہووے گا رواں
محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

اعتقادی رباعی (465) گریہ-اشکِ عزا

روتے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کھل جائے گا سب، جو بند ہوں گی آنکھیں

اعتقادی رباعی (466) گریہ-اشکِ عزا

اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی مَل جاتا ہے
شیعوں کے تو قلب ہیں کہیں موم سے نرم
پتھر کا جگر ہو تو پگھل جاتا ہے

اعتقادی رباعی (467) گریہ-اشکِ عزا

سوزِ غمِ سرورؑ سے جگر جلتا ہے
دن بھر جلتا ہے رات بھر جلتا ہے
سینہ مرا شہؑ کا تعزیہ خانہ ہے
دل جلتا ہے یوں جیسے اگر جلتا ہے

اعتقادی رباعی (468) گریہ-داغِ سینہ

روشن جو ہر ایک داغ ہوجاتا ہے
سینہ جنت کا باغ ہوجاتا ہے
دل اہلِ عزا کا غم سے جلتے جلتے
چہلم میں چہل چراغ ہوجاتا ہے

اعتقادی رباعی (469) گریہ-اشکِ عزا

ہاں جوشِ غم سرورِ عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں پیہم
ہر موے مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

اعتقادی رباعی (470) گریہ-اشکِ عزا

شبّیرؑ کا غم یہ جس کے دل پر ہوگا
آنسو جو گرے گا شکلِ گوہر ہوگا
پوچھے گا خدا جب ایسے دُر کی قیمت
تب حشر میں جوہری پیمبرؐ ہوگا

اعتقادی رباعی (471) گریہ-اشکِ عزا

جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ
فیضِ غمِ شبیرؑ خوش انجام ہے یہ
آنکھوں کی ضیا، تقویتِ قلب و دماغ
آنسو نہ سمجھ روغنِ بادام ہے یہ

اعتقادی رباعی (472) گریہ-اشکِ عزا

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے
فردوس صلہ رونے رُلانے کا ہے
خورشید نقابِ رُخ اُٹھائے کیونکر
ہاں وقت یہ فاطمہؑ کے آنے کا ہے

اعتقادی رباعی (473) گریہ-اشکِ عزا

بے کار نہیں ہے آہ و زاری ایسی
ہے عینِ قرار بے قراری ایسی
اشکوں میں جو آب ہے تمہارے یارو
گوہر میں کہاں ہے آبداری ایسی؟

اعتقادی رباعی (474) گریہ-اشکِ عزا

فرصت کہاں ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ پلک نواز ہے ذات تری
جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

اعتقادی رباعی (475) گریہ-اشکِ عزا

جب دل غمِ شہؑ سے داغ ہوجاتا ہے
ہر گوشہَ قبر باغ ہوجاتا ہے
مردُم کہتے ہیں جس کو یاں دانۂ اشک
واں گوہرِ شب چراغ ہوجاتا ہے

اعتقادی رباعی (476) گریہ-اشکِ عزا

سوزِ غمِ شہؑ سے داغ داغ آنکھیں ہیں
گل لختِ جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں
چشمِ بددور، بزمِ ماتم ہے نور
آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

(477)

اعتقادی رباعی — گریہ-اشکِ عزا

ہیں سوگ میں شبّیرؑ کے ہر دم آنکھیں
رہتی ہیں تمام سال پرنم آنکھیں
بیجا نہیں یہ دستِ مژہ کی جنبش
کرتی ہیں غمِ شاہؑ میں ماتم آنکھیں

(478)

اعتقادی رباعی — گریہ-اشکِ عزا

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے
سینے کو سرور شہؑ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک
رونے کا مزا ماہِ محرم میں ہے

اعتقادی رباعی (479) گریہ-اشکِ عزا

میخانۂ کوثر کا شرابی ہوں میں
کیا قبر کا خوف بوترابی ہوں میں
کہتی ہے یہ چشم خشک رکھو نہ مجھے
اے اہلِ نظر مردُم آبی ہوں میں

اعتقادی رباعی (480) گریہ-اشکِ عزا

جس پر نظر اِک لطف کی شبّیرؑ کریں
ادنیٰ، اعلیٰ سب اُس کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

اعتقادی رباعی (481) گریہ-اشکِ عزا

گر سبطِ نبیؐ کی مہربانی ہوجاے
مُردوں کی لحد میں زندگانی ہوجاے
ڈرتے نہیں دوزخ سے محبانِ حسینؑ
سایہ ڈالیں تو آگ پانی ہوجاے

رثائی رباعی (482) تخلیق کائنات کی وجہ پنجتنؑ

جو لوح و قلم ہوئے قران السعدین
فرمانے لگے یہ اُن سے ربّ کونین
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا
ہیں احمدؐ و حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

رثائی رباعی (483) درود بہ پنجتنؑ

یکبار درود جو نبیؐ پر بھیجے
حسنینؑ و بتولؑ اور علیؑ پر بھیجے
ادنا ہو بشر پہ پاوے رُتبہ اعلا
دس بار درود حق اُسی پر بھیجے

رثائی رباعی (484) غمِ شہدأ

زہرا سے کوئی غمِ پیمبرؐ پوچھے
زینبؑ سے کوئی فراقِ حیدرؑ پوچھے
پوچھے کوئی سجادؑ سے شبّیرؑ کا غم
بانوؑ کے جگر سے داغِ اکبرؑ پوچھے

رثائی رباعی (485) مصائبِ پنجتن

کیا پانچ ہوئے خدا کے مظہر پیدا
تاحشر نہ ہوں گے جن کے ہم سر پیدا
حیرت ہے مجھے کہ حیف ایسوں کے لیے
اندوہ و الم تھے، زہر و خنجر پیدا

رثائی رباعی (486) شہادت حضرت فاطمہؑ

کرسی کس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کس کا!
کس کی یہ شرافت ہے، یہ رُتبہ کس کا!
صدیقہ، جنابِ سیّدہؑ، بنتِ رسولؐ
زُہرہ کہے زہراؔ کو، یہ زہرا کس کا!

رثائی رباعی (487) گریہ-امام حسن

دل غم سے محبوں کے بھرے رہتے ہیں
ہاتھ اپنے کلیجے پہ دھرے رہتے ہیں
ہردم حسنؑ سبز قبا کے غم میں
زخمِ دلِ صد چاک ہوئے رہتے ہیں

رثائی رباعی (488) شہادت حضرت علیؑ

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
تلوار سے اِک شقی کی، سبحان اللہ!
سجدے میں اُسی کا سر دوپارا ہوگا!

رثائی رباعی (489) شہادت حضرت علیؑ

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدرؑ
ذاکر بھی ہیں مصروفِ بیانِ حیدرؑ
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا
رونے کو ہیں جمع شیعیانِ حیدرؑ

رثائی رباعی (490) شہادت حضرت علیؑ

مسجد میں چراغِ دین خاموش ہوا
ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہوا
پہنا ملبوسِ نیلگوں گردوں نے
کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا

رثائی رباعی (491) شہادت حضرت علیؑ

ہے آج وہ دن کہ انبیاؑ روتے ہیں
گردوں پہ ملک اشکوں سے منھ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اُٹھتا ہے
بن باپ کے سبطینِ نبی ہوتے ہیں

رثائی رباعی (492) شہادت حضرت علیؑ

دامادِ رسولؐ کی شہادت ہے آج
معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلینؐ
خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

رثائی رباعی (493) شہادت حضرت علیؑ

گھر سے جو پے نماز باہر نکلے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؑ نکلے
واللہ کہ حقِّ خانہ زادی یہ ہے
نکلے جو خدا کے گھر سے، مر کر نکلے

رثائی رباعی (494) دریا پر خیمے نصب نہ ہوئے

خیمہ لبِ نہر شہؑ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اُترنے نہ دیا

رثائی رباعی (495) سفینۂ محمدؐ ڈوبا

خوں میں شہِؑ مظلوم کا سینہ ڈوبا
بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاوٴ، یارو!
خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

رثائی رباعی (496) عشرۂ محرم

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہرؑا
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہرؑا
کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاوٴ لوگو!
کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہرؑا

رثائی رباعی — 497 — بربادیٔ باغِ نبیؐ

دشمن جو یزیدِ ستم ایجاد ہوا
محبوبِؐ خدا کا باغ برباد ہوا
لکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہراؑ کا
ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

رثائی رباعی — 498 — ورودِ امامؑ کربلا میں

مولاؑ مرے مقتل کے قریں آپہنچے
جنگل کی طرف عرش مکیں آپہنچے
اے مومنو، مشغولِ بُکا ہو شب و روز
ایامِ عزائے شہؑ دیں آپہنچے

رثائی رباعی (499) ایامِ عزا

اے اہلِ عزا، عزا کے دن آپہنچے
غم کی راتیں، بُکا کے دن آپہنچے
فریاد کہ فاطمہؑ کی بستی اُجڑی
آبادیِ کربلا کے دن آپہنچے

رثائی رباعی (500) تیاری آمدِ محرم

اے یارو! محرم کا مہینہ آیا
سر پیٹو، غمِ شاہِؑ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک ڈالو، یارو!
احمدؐ کا تباہی میں سفینہ آیا

رثائی رباعی (501) آمد محرم

کیا جوش و خروش سے محرم آیا
جو خانہ بخانہ دینے یہ غم آیا
تم قدر کرو کچھ اس کی اہلِ ماتم
فرزندِ رسولؐ کا ہے ماتم آیا

رثائی رباعی (502) سفر کربلا

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے
اور روضۂ سیّد البشرؐ سے نکلے
کعبے میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا
روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

(503)

رثائی رباعی — آمدِ ماہِ محرم

آتا ہے جو خلق میں محرم تازہ
ہوتا ہے حسینؑ کا یہ کیوں غم تازہ
مارا ہے گیا شفیعِ محشر کا خلف؟
تا روزِ جزا رہے گا ماتم تازہ

(504)

رثائی رباعی — شمشیرِ امامِ حسینؑ

تلواروں سے جسمِ شہِؑ دیں چور ہوا
تیروں سے بدن خانۂ زنبور ہوا
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیرِ دو دم
اُمّت کا مگر قتل نہ منظور ہوا

رثائی رباعی (505) شہادتِ امام حسینؑ

جب ذبح حسینؑ ذوی الاکرام ہوا
ماتم کا، حرم سرا میں کہرام ہوا
آتی تھی، یہ شہؑ کے تنِ بے سر سے صدا
لو بخشیش اُمت کا سر انجام ہوا

رثائی رباعی (506) شہادتِ امام حسینؑ

زہراؑ جو بصد آہ و فغاں پیٹتی ہیں
منھ ہاتھوں سے حورانِ جناں پیٹتی ہیں
کیا غم ہے کہ نورِ عینِ زہراؑ کے لیے
سردستِ مژہ سے پُتلیاں پیٹتی ہیں

رثائی رباعی (507) رجزِ امامِ حسینؑ

شہؑ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام، وہ ستارا ہوں میں

رثائی رباعی (508) عطشِ امامِ حسینؑ

کیا پیاس میں تھے محوِ عبادت شبّیرؑ
سینے پہ تو قاتل تھا گلے پر شمشیر
نکلا نہ لہو خشک تھا یہ حلقِ حسینؑ
جاری تھی مگر خون کے بدلے تکبیر

رثائی رباعی (509) جنازۂ امام حسینؑ

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاکِ حسینؑ
سب ٹوٹ پڑے، لُٹ گئی پوشاکِ حسینؑ
فریاد ہے اُمت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاک حسینؑ

رثائی رباعی (510) نہم محرم

اے مومنو! فاطمہؑ کا پیارا شبیرؑ
کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا شبیرؑ
ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سنسان
آج اور ہے مہمان تمہارا شبیرؑ

رثائی رباعی (511) رخصت امامِ حسینؑ

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلّی دیے جاتے تھے مگر
زینبؑ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

رثائی رباعی (512) ماتم امامِ حسینؑ

بست و یکم ماہِ محرم ہے آج
جس آنکھ کو دیکھیے وہ پُرنم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہؑ جس کا
اُس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

رثائی رباعی (513) مصائب امام سجادؑ

بے گور و کفن باپ کا لاشا دیکھا
پردیس میں مادر کا رنڈاپا دیکھا
زنداں میں جفائے خار و طوق و زنجیر
عابدؑ نے پِدر کے بعد کیا کیا دیکھا

رثائی رباعی (514) شہادتِ امام حسینؑ

میداں میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے
زہراؑ و علیؑ اشکوں سے منھ دھوتے تھے
بھائی کے لیے ہوتے تھے شبّرؑ بیتاب
سر پیٹ کے محبوبِؐ خدا روتے تھے

رثائی رباعی (515) شہادتِ امام حسینؑ

کیا کیا نہ ستم اہلِ جفا کرتے ہیں
شبّیرؑ مگر شکرِ خدا کرتے ہیں
پھرتی ہے گلے پہ تیغ، لب پر نہیں آہ
یوں وعدۂ طفلی کو ادا کرتے ہیں

رثائی رباعی (516) شہادتِ امام حسینؑ

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
بے شبہہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا
بے سر ہوئے شبّیرؑ ستم کے دن ہیں

رثائی رباعی (517) امامِ حسینؑ کی تنہائی

کہتی تھی بتولؑ اے مرے پیارے شبّیرؑ
کس بیکسی سے جاتے ہو مارے شبّیرؑ
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمہارے شبّیرؑ

رثائی رباعی (518) قتلِ امام حسینؑ

کہتے تھے لعیں لوٹ میں زر پائیں گے
اسبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے
یہ گوہرِ مقصود ملے گا اُس دم
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

رثائی رباعی (519) مصائب امام حسینؑ

وہ کون سا صدمہ تھا جو شہؑ پر نہ ہوا
پانی بھی دمِ نزع میسّر نہ ہوا
رویا کیے زینبؑ کی اسیری پہ حسینؑ
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہ ہوا

رثائی رباعی (520) جنازہ امام حسینؑ

عابدؑ کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاش امامؑ وطن آوارہ ہے
گر جمع کریں انہیں تو قرآں ہو جائے
ہر عضوِ تنِ حسینؑ سی پارہ ہے

رثائی رباعی (521) درود امام حسینؑ

کفّار کا لشکر لبِ دریا اُترا
جو مالکِ کوثر تھا، الگ جا اُترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اُترے شبّیرؑ
غُل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلا اُترا

رثائی رباعی (522) امام حسینؑ کا سرِ اقدس

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
کیا عزّ و شرف امامِ غازی کا ہے
سجدے کا نشاں دیکھ کے سب کہتے تھے
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

523

ثانی رباعی — عطشِ امام حسینؑ

شہہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں
کر رحم پیمبرؐ کا نواسا ہوں میں
کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھ کو
اے شمر کئی روز کا پیاسا ہوں میں

524

ثانی رباعی — امام حسینؑ کی عظمت

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
سردارِ اُمم مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق
ثابت کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

رثائی رباعی (525) شہادت امام حسین

شہؑ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبؑ شبِ قتل
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

رثائی رباعی (526) امام حسین

زینبؑ نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی
پردیس میں تقدیر مجھے لوٹ گئی
فرزندوں کے مرنے کا نہ غم تھا مجھ کو
پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی

رثائی رباعی (527) امام حسینؑ

زینبؑ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے
بے رحم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے
یا شاہِؑ نجف آؤ مدد کی خاطر
سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

رثائی رباعی (528) عطشِ امام حسینؑ

کہتی تھی بتولؑ آہ، یارب! کیا ہے
کچھ خود بخود آج دل مرا اُڈا ہے
پڑتی ہے گلے میں آبِ کوثر کی گرہ
شاید مرا شبیرؑ کہیں پیاسا ہے

رثائی رباعی (529) عطشِ امام حسینؑ

حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی
دریا میں ہے کس لیے سمایا پانی
یہ ابر جو لاکھ بار برسے تو کیا
شبیرؑ نے مرتے دم نہ پایا پانی

رثائی رباعی (530) گرمیٔ عاشورہ

جنگل کی طپش کنارِ دریا گزری
صدمے سہے، دُکھ اُٹھائے، ایذا گزری
اے اہلِ عزا تمھاری راحت کے لیے
گرمی میں مسافروں پہ کیا کیا گزری

رثائی رباعی (531) عطش حسینؑ

مظلومؑ، نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

رثائی رباعی (532) عطش۔ بے گور و کفن حسینؑ

اِک کہنہ روا آلِ عبا کو نہ ملے
تُربت مظلومِ کربلا کو نہ ملے
کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ نا انصاف!
پانی فرزندِ مصطفےٰؐ کو نہ ملے

رثائی رباعی (533) عطشِ امام حسینؑ

کیونکر نہ سحاب جوشِ غم سے برسے
کیوں برق گرے نہ اوجِ گردوں پر سے
کیوں رعد کرے نہ شور و فریاد و فغاں
پانی کو جو ابنِ میرؑ کوثر ترسے

رثائی رباعی (534) عطش

اعدا نے پیا اور بہایا پانی
لشکر نے حسینؑ کے نہ پایا پانی
بازو بھی کٹائے بازوئے سرورؑ نے
اُس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

رثائی رباعی (535) گرمیِ عاشور/عطش

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے
پھنکتے تھے بدن، رنگ بدل جاتے تھے
اللہ ری ہوائے گرم روزِ عاشور
جب آتی تھی لو، درخت جل جاتے تھے

رثائی رباعی (536) پامال جنازہ بہ سُمِ اسپاں

جب خاتمۂ شاہِ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

رثائی رباعی (537) بے کفن حسینؑ

صدقے ترے اے فاطمہؑ کے جائے حسینؑ
اُمت نے عجب دُکھ تجھے دکھلائے حسینؑ
عریاں رہی لاش اِک مہینے دس دن
مر کر نہ کفن تجھ کو ملا ہائے حسینؑ

رثائی رباعی (538) بے گور و کفن جسد امامِ حسینؑ

عریاں سرِ خاتونِ زمنؑ ہے اب تک
ناموس پہ ایذا و محن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اُڑاؤ یارو
شبیرؑ کی لاش بے کفن ہے اب تک

رثائی رباعی (539) بے گور و کفن جسد امامِ حسینؑ

مائل نہیں طبعِ پاک اِس دنیا پر
مردُم ہیں عبث ہلاک اس دنیا پر
فرزند ابوترابؑ، محتاجِ لحد!
تُف اس دنیا پہ، خاک اس دنیا پر

رثائی رباعی (540) زندانِ شام

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے
تاریکی سے بی بیوں کے دم بند ہوئے
سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا وائے نصیب
بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

رثائی رباعی (541) دفن سید الشہداء

جب دفن ہوا شیرِؑ خدا کا جانی
سجادؑ نے کی قبر پہ آب افشانی
شبیرؑ کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر
پیتی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

رثائی رباعی (542) دفن سید الشہداء

مارے گئے جو، وہ سب لعیں دفن ہوئے
زہراؑ کے نہ ہائے، نازنیں دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر قبر میں بعدِ اربعیں دفن ہوئے

رثائی رباعی (543) دفن سید الشہدأ (اربعین)

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسواں تک گڑا نہ لاشہ جس کا
اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رثائی رباعی (544) چہلم شہدأ

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے
کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے
چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں
وہ پھول سوم کو بھی اٹھائے نہ گئے

رثائی رباعی (545) چہلم حسینؑ

رسّی میں گلا علیؑ کی جائی کا ہے
اب تک نہیں طور کچھ رہائی کا ہے
گھبرا کے یہی کہتی تھی کہ چھوٹیں گے
چہلم نزدیک میرے بھائی کا ہے

رثائی رباعی (546) عباسؑ علمدار

شہؑ کہتے تھے عباسؑ سا مہہ رُو نہ رہا
کیا اشک تھمیں کہ دل پہ قابو نہ رہا
یک دشت گئی تاب و توانِ شبیرؑ
اُس ہاتھ سے کیا ہو، جس کا بازو نہ رہا

رثائی رباعی (547) عباسؑ علمدار

خوں بھائی کا، شہ کے روبرو بہتا تھا
پیاسے کا لہو، کنارِ جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ
دریا تو اُدھر، اِدھر لہو بہتا تھا

رثائی رباعی (548) بنی ہاشم

عباسؑ سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبرؑ سا گلبدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر، مگر لب نہ ہلے
اصغرؑ سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

رثائی رباعی (549) عباسؑ علمدار

اعدا رفقائے شہؑ سے سربر نہ ہوئے
لڑتے رہے جب تلک کہ بے سر نہ ہوئے
سرداروں کو آرزو رہی دنیا میں
ایسے غازی مگر میسّر نہ ہوئے

رثائی رباعی (550) مصائب الشہدا

عباسؑ کو لطفِ زندگانی نہ ملا
اکبرؑ کو بھی کچھ حظِّ جوانی نہ ملا
اس موسمِ گرما میں غضب ہے، یارو!
شبیرؑ کو تین روز پانی نہ ملا

رثائی رباعی (551) عباسؑ علمدار

ظاہر وہی اُلفت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شہہِ جنّ و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علَم آگے جب اُٹھتی ہے ضریح
عباسِؑ علیؑ سینہ سپر ہیں اب تک

رثائی رباعی (552) شہادت علیؑ اکبر

روتے ہیں نہ فریاد و بُکا کرتے ہیں
کیا صبر امامِؑ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جِس کو بَر میں
اُس بیٹے کو اُمت پہ فدا کرتے ہیں

رثائی رباعی (553) شہادتِ علی اکبرؑ

اکبرؑ نے جو گھر موت کا آباد کیا
صغرا کو دمِ نزع بہت یاد کیا
لاشے پہ کمر پکڑ کے کہتے تھے حسینؑ
تم نے علی اکبرؑ ہمیں برباد کیا

رثائی رباعی (554) رخصتِ علی اکبرؑ

اکبرؑ کہتے تھے ''بابا کیوں روتے ہو؟
اس فدوی کے غم میں جان کیوں کھوتے ہو؟''
فرماتے تھے ''شہؑ رونے کی جا ہے اکبرؑ
اٹھارہ برس بعد جدا ہوتے ہو''

رثائی رباعی (555) سراپا علی اکبرؑ

منھ چاہیے وصفِ رُخِ اکبر کے لیے
تھا حسن اسی سروِ سمن بر کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گُل چاہیے مسطر کے لیے

رثائی رباعی (556) شہادت قاسمؑ ابن حسنؑ

دُشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ
جاتا نہیں ہرگز دلِ ناشاد کا داغ
فرماتے تھے رو کے لاشِ قاسمؑ پہ حسینؑ
اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

رثائی رباعی (557) شہادتِ قاسمؑ ابن حسنؑ

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں بنے قاسمؑ نے
دیکھا جسے، اُس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رثائی رباعی (558) لاشِ قاسمؑ ابن حسینؑ

قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
گھوڑوں کی سموں سے اُس کو پامال کیا

رثائی رباعی (559) لاشۂ قاسم ابن حسن

جھک جھک کے تو منہ ابنِ حسنؑ نے دیکھا
لیکن نہ سکینہؑ کی بہن نے دیکھا
آنسو نکل آئے، مگر آنکھیں نہ کھلیں
لاش آئی، تو دولھا کو دلہن نے دیکھا

رثائی رباعی (560) مصائبِ سکینہؑ بنت الحسینؑ

کہتی تھی سکینہؑ، گھر کا جلنا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

رثائی رباعی (561) قتلِ پسرانِ مسلم

چلّاتے تھے مسلم کے پسر قتل نہ کر
مظلوم ہیں اور بے پدر، قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث
لِلّٰہ ہمیں بیچ لے، پر قتل نہ کر

رثائی رباعی (562) شہادتِ علی اصغر

ماں کہتی تھی راحت نہ ملی آہ ملی
تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی
امّاں صدقے ہو تو برس دن نہ جیے
اصغرؑ تجھے عمر ایسی کوتاہ ملی

رثائی رباعی (563) دفنِ علی اصغرؑ

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے
بس صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے
اصغرؑ کو لٹا قبر میں بولے یہ حسینؑ
آرام کرو اب یہی گہوارا ہے

رثائی رباعی (564) شہادتِ علی اکبرؑ اور علی اصغر

بانو کہتی تھی ہائے! اکبرؑ نہ رہے
غم رہ گیا، ہمشکلِ پیمبرؐ نہ رہے
ہوکر چھ مہینے کے گئے دنیا سے
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

رثائی رباعی (565) علی اصغر کا دفن

جو شے تھی تہِ چرخ بریں ہلتی تھی
ایک ایک صف لشکرِ کیں ہلتی تھی
اصغرؑ کو جو رن میں دفن کرتے تھے حسینؑ
گہوارے کی مانند زمیں ہلتی تھی

رثائی رباعی (566) مصائب امام سجادؑ

کیا رنج جفائے اشقیا سے کھینچا
لیکن نہ قدم راہِ رضا سے کھینچا
سردار تھے صابروں کے سجادِؑ حزیں
کانٹا بھی نہ جھک کر کفِ پا سے کھینچا

رثائی رباعی (567) زندگانی امام سجادؑ

عابد کی تمام عمر زاری نہ گئی
پوشاکِ عزا تن سے اُتاری نہ گئی
خواب و آرام و صبر و تاب و طاقت
یہ سب گئے اور بے قراری نہ گئی

رثائی رباعی (568) مصائب امام سجادؑ

عابدؑ کو سدا باپ کا غم رہتا تھا
دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا
تھیں فرطِ بکا سے دونوں آنکھیں مجروح
رخسارِ مبارک پہ ورم رہتا تھا

رثائی رباعی (569) امام سجادؑ کی زندگانی

تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجادؑ
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجادؑ
جب تک جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا
چالیس برس باپ کو روئے سجادؑ

رثائی رباعی (570) امام سجادؑ کی زندگانی

عابدؑ تھے مدام صبح ہوتے روتے
جب جاگتے روتے، جبکہ سوتے روتے
چالیس برس پدر کو روئے یاں تک
رُخسار بھی گھل گئے تھے روتے روتے

رثائی رباعی (571) امام سجادؑ کے مصائب

سجادِؑ حزیں شغلِ بُکا رکھتے ہیں
تر اشکوں سے رُخسار سدا رکھتے ہیں
بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب
یادِ عطشِ شاہِؑ ہُدا رکھتے ہیں

رثائی رباعی (572) امام سجادؑ کی گریہ زاری

بِن روئے نہ عابدؑ سے رہا جاتا تھا
خطبہ سرِ منبر نہ پڑھا جاتا تھا
پڑھنے میں اگر لیتے تھے وہ نامِ حسینؑ
روتے تھے یہاں تک کہ غش آجاتا تھا

رثائی رباعی (573) امام سجادؑ کی گریہ زاری

عابدؑ کو کبھی خوش نہیں ہوتے دیکھا
بے گریہ نہ جاگتے، نہ سوتے دیکھا
شب سے تا صبح، اور سحر سے تا شام
جب کوئی گیا، آپ کو روتے دیکھا

رثائی رباعی (574) امام سجادؑ کی زندگی

سجادؑ کے چہرے سے تغیری نہ گئی
تھے کُل کے امیر، پر فقیری نہ گئی
زنجیرِ قدم ضعف رہا برسوں تک
آزاد ہوئے پھر بھی اسیری نہ گئی

رثائی رباعی (575) حرابن ریاحی کا مقدر

حُر نے مقداد کا مقدّر پایا
اسلام بھی سلماں کے برابر پایا
عمّار کی طرح پائی عمرِ جاوید
زر چھوڑا تو رُتبۂ ابوذر پایا

رثائی رباعی (576) حرابن ریاحی کی بخشش

جب حُر کا گنہ شاہِؑ اُمم نے بخشا
قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا
گردوں سے ندا آئی کہ، اے سبطِ نبیؐ
تو نے جسے بخشا، اُسے ہم نے بخشا

رثائی رباعی (577) حرابن ریاحی کی رستگاری

شبیرؑ سا حُر نے جب کہ رہبر پایا
پایے سے ہوا عرش کے برتر پایا
اِک سبطِ رسولؐ کی رضامندی سے
حوریں پائیں، بہشت و کوثر پایا

رثائی رباعی (578) حرابن ریاحی کی خوش نصیبی

حُر کہتا تھا، جب قبر میں سونا ہوگا
پُرنور مری قبر کا کونا ہوگا
زانوے حسینؑ اور رِدائے زہراؑ
تکیہ تو یہ ہوگا، وہ بچھونا ہوگا

رثائی رباعی (579) حرابن ریاحی کی بخشش

حُر جب کہ فدائے شہِؑ ذی جاہ ہوا
اِک غلغلۂ جزاکُم اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا، وہ جری
شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہوا

کتابیات

مراثی میر انیس (چھ جلد)	نول کشور، لکھنؤ	نول کشور، لکھنؤ	1885ء
مجموعۂ رباعیات	سید علی حسین	یوسفی پریس دہلی	1901ء
رباعیاتِ انیس	سید محمد حسن بلگرامی	حیدرآباد دکن	1906ء
مراثی انیس	نظامی پریس بدایوں	بدایون	1926ء
انیس الاخلاق	سید محمد عباس	لکھنؤ	1939ء
رباعیاتِ انیس	عمر فیضی	لاہور	1956ء
رباعیات انیس	علی جواد زیدی	سپر پرنٹرز، دہلی	1984ء
رباعیاتِ دبیر	سید تقی عابدی	شاہد پبلی کیشنز، دہلی	2008ء
ماہ نو انیس نمبر	مدیر فضل قدیر	ادارہ مطبوعات، پاکستان	1972ء
آج کل میر انیس نمبر	مہدی عباس حسینی	ڈائریکٹر پبلی کیشنز، پٹیالہ ہاؤس	1975ء
سرفراز لکھنؤ انیس نمبر	مصطفےٰ حسن رضوی	سرفراز قومی گھر، لکھنؤ	1972ء
پیام عمل انیس نمبر	سید کوثر حسین	امامیہ مشن پاکستان، لاہور	1973ء
نگار میر انیس نمبر	فرمان فتح پوری	مشہور پریس، کراچی	1971ء
خیابانِ انیس	محمد شمس الدین صدیقی	شاہین برقی پریس، پشاور	1974ء
دبستانِ انیس	دبستان انیس راولپنڈی	نسیم پرنٹنگ پریس، لاہور	1974ء
نقوش میر انیس نمبر	محمد طفیل - اکبر حیدری	ادارۂ فروغ اردو، لاہور	1981ء
تجزیہ یادگارِ انیس	سید تقی عابدی	پرنس آرٹ پرنٹرس، دہلی	2002ء
باقیاتِ انیس	اکبر حیدری	محمدی پبلشرز، لکھنؤ	1979ء
موازنہ انیس و دبیر	شبلی نعمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی	1988ء